اقبالیات (اردو)

جولائی تا ستمبر، ۱۹۷۹ء

مدیر:

ڈاکٹر محمد معزالدین

اقبال اکادمی پاکستان

عنوان	:	اقبالیات (جولائی تا ستمبر، ۱۹۷۹ء)
مدیر	:	محمد معزالدین
پبلشرز	:	اقبال اکادمی پاکستان
شہر	:	لاہور
سال	:	۱۹۷۹ء
درجہ بندی (ڈی۔ڈی۔سی)	:	۱۰۵
درجہ بندی (اقبال اکادمی پاکستان)	:	8U1.66V11
صفحات	:	۱۰۹
سائز	:	۱۴.۵×۲۴.۵س م
آئی۔ایس۔ایس۔این	:	۰۰۲۱-۰۷۷۳
موضوعات	:	اقبالیات
	:	فلسفہ
	:	تحقیق

IQBAL CYBER LIBRARY

(www.iqbalcyberlibrary.net)

Iqbal Academy Pakistan

(www.iap.gov.pk)

6th Floor Aiwan-e-Iqbal Complex, Egerton Road, Lahore.

مندرجات

جلد: ۲۰ | اقبال ریویو: جولائی تا ستمبر، ۱۹۷۹ء | شمارہ: ۲

اقبال ریویو

مجلۂ اقبال اکادمی پاکستان

یہ رسالہ اقبال کی زندگی ، شاعری اور فکر پر علمی تحقیق کے لیے وقف ہے اور اِس میں علوم و فنون کے اُن تمام شعبہ جات کا تنقیدی مطالعہ شائع ہوتا ہے جن سے اُنھیں دلچسپی تھی ، مثلاً اسلامیات ، فلسفہ ، تاریخ ، عمرانیات ، مذہب ، ادب ، فن ، آثاریات ، وغیرہ ۔

بدل اشتراک

(چار شماروں کے لیے)

پاکستان	بیرونی ممالک
15 روپیہ	5 ڈالر یا 1.75 پونڈ

قیمت فی شمارہ

پاکستان	بیرونی ممالک
4 روپیہ	1.50 ڈالر یا 50. پونڈ

مضامین برائے اشاعت

معتمد مجلس ادارت ، ''اقبال ریویو'' 2-B/90 ، گلبرگ 3 ، لاہور کے پتے پر ہر مضمون کی دو کاپیاں ارسال فرمائیں ۔ اکادمی کسی مضمون کی گمشدگی کی کسی طرح بھی ذمہ دار نہ ہوگی ۔

ناشر و طابع : ڈاکٹر محمد معز الدین ، مدیر و معتمد ، مجلسِ ادارت و ناظم ، اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور

مطبع : زرین آرٹ پریس ، ۶۱ ریلوے روڈ ، لاہور

اقبال ریویو

مجلۂ اقبال اکادمی پاکستان

جلد ۲۰   جولائی ۱۹۷۹   بمطابق شعبان ۱۳۹۹   نمبر ۲

مندرجات

"مثنوی رومی" میں ذکرِ خیر الانام

خواجہ عبدالحمید یزدانی

دفترِ اول

"مثنوی رومی" کو فارسی زبان کا قرآن[1] کہا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس میں حضور پاکؐ کی بیسیوں احادیثِ مبارکہ کی تشریح و تفسیر بھی کی گئی ہے۔ ظاہر ہے اس صورت میں "مثنوی" میں حضرت ختمی مرتبت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر ایک لابدی امر تھا۔ چنانچہ "مثنوی رومی" میں تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد نبی اکرمؐ کا ذکرِ مبارک کہیں ایک آدھ شعر میں اور کہیں زیادہ اشعار میں ملے گا۔ یہ ذکرِ بہجت افزا کہیں تو برسبیل تذکرہ آیا ہے، کہیں حضور پاکؐ سے منسوب کسی واقعے کے ذیل میں اور کہیں، جیسا کہ اُوپر مذکور ہوا، تفسیرِ حدیث کے ضمن میں نظر آتا ہے۔ بہرحال مولانا روم نے جس شعر میں بھی اور جس انداز میں بھی نبی مکرمؐ کا ذکر کیا ہے وہ ان کی پیغمبرِؐ خدا سے بے پناہ عقیدت و ارادت مندی اور والہانہ شیفتگی کا مظہر ہے۔ تصنیفِ "مثنوی" سے قبل رسولِ کریمؐ سے مولانا کی اس عقیدت و شیفتگی کا اظہار و انداز، بقول فریدون سپہ سالار کے، ہر اُس عبادت و ریاضت میں ان کی مشغولیت[2] کی صورت میں تھا جو سرورِ کائناتؐ سے منقول تھی۔ جب شمس تبریز سے ملاقات کے بعد ان میں عظیم تبدیلی آئی اور اُنھوں نے اپنی مشہورِ عالم "مثنوی" لکھنا شروع کی تو عشقِ رسولِ مقبولؐ بھی شعر کی شکل میں ڈھلتا چلا گیا، جس کی واضح صورت اس مضمون میں نظر آئے گی۔ ایسے

۱- مثنوی، معنوی، مولوی ہست قرآں در زبانِ پہلوی

۲- یوسف جمشیدی پور، "مکتوباتِ مولانا جلال الدین محمد"، ص ۱۰۲۔

اشعار میں مولانا نے سرکارِ دو عالم ؐ کو محمد ؐ ، مصطفیٰ ؐ ، احمد ؐ صدر صدور ؐ سرِ پیغمبران ؐ ، بحرِ صفا ؐ ، روح الامین ؐ اور سید ؐ وغیرہم ایسے اسما و القاب سے یاد کیا ہے ۔ اس مضمون میں ایسے اشعار کو سیاق و سباق کے ساتھ پیش کیا گیا ہے تا کہ مختلف مقامات پر آمدہ حضور ؐ کے ذکرِ روح پرور کا سبب و مفہوم اور اہمیت وغیرہ واضح ہو سکے ۔

''مثنوی رومی'' میں سید الاولین والآخرین ؐ کا ذکرِ سعادت اثر پہلے پہل ''مصطفیٰ ؐ'' کے نام سے دفتر اول کی داستانِ بادشاہ و کنیز میں آیا ہے ۔ اس میں بادشاہ نے خود کو حضرت عمر رض سے اور حکیمِ غیبی کو مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) سے تشبیہ دی ہے :

اے مرا تو مصطفیٰ ؐ من چون عمر رض   از برائے خدمتت بندم کمر[۳]

ایک جگہ مومن اور منافق کا فرق بیان کرتے اور مؤخرالذکر کو ہدف بناتے ہوئے حضور اکرم ؐ کی حدیث ''استفت قلبک وان افتاک المفتون ۔ ۔ ۔''[۴] کا حوالہ دیا گیا ہے ۔ یہاں مولانا منافق کو دوزخی قرار دیتے ہوئے ''لفظ و معنی'' کی بحث چھیڑتے ہیں ۔ ان کے مطابق اس نام (یعنی منافق) میں برائی حرف کی وجہ سے نہیں ہے ۔ اسی طرح سمندر کے اس پانی کی تلخی اس کے ظرف کے سبب نہیں ۔ حرف تو ظرف ہے جس میں ''معنی'' کی حیثیت پانی کی ہے ۔ اب مولانا بحر کے حوالے سے کتاب اللہ کو ''بحرِ معنی'' کے لقب سے یاد اور بعض آیات کی طرف اشارہ کرتے ہیں جن میں بحرِ تلخ اور بحرِ شیریں کا ذکر ہے جو ساتھ ساتھ بہ رہے ہیں لیکن دونوں کے درمیان پردہ حائل ہے اور وہ باہم نہیں مل سکتے ۔[۵] ان دونوں کی اصل ایک ہے ، لیکن ایک زرِ اصلی اور دوسرا زرِ قلب ہے اور ان کو پرکھنے کے لیے محک کا ہونا ضروری ہے ؛ اور یہ محک خدا کی دین ہے ، جسے عطا ہو جائے وہ یقین اور شک میں فرق کر سکتا ہے ۔ اور

۳۔ ''مثنوی شریف'' دفتر اول ، ص ۶ ۔

۴۔ فتویٰ اپنے دل سے طلب کر ، ہر چند مفتی تجھے فتویٰ دیں کہ دل آئینۂ ربانی ہے ۔

۵۔ سورۂ رحمٰن ۱۹-۲۰ : ''مرج البحرین یلتقیان بینھما برزخ لایبغیان'' ۔

ایسے ہی صلحا اور اہلِ وفا حدیث ''استفت قلبک ۔ ۔ ۔ الخ'' کے مخاطب اور اس کے معنی کے ادراک کنندہ ہیں ۔ اس کے بعد مولانا نے مومن اور منافق یا اہلِ اللہ اور اہلِ ریا میں فرق جاننے اور انھیں پرکھنے کے ضمن میں بعض سادہ ، فطری اور اچھوتی مثالیں دی ہیں ، اور مخاطب کو حسِ دنیا کے بجائے حسِ عقبیٰ کی طرف متوجہ ہونے کا درس دیا ہے ۔ پھر وہ مذکورہ موضوع کی مزید وضاحت اور اہلِ اللہ کی تلاش میں احتیاط کے بیان میں شکاری کی تمثیل لاتے ہیں جو پرندوں کو جال میں پھانسنے کے لیے پرندوں کی سی آوازیں نکالتا ہے اور پرندے دھوکا کھا کر جال میں پھنس جاتے ہیں ۔ اسی طرح اہلِ ریا ، جو شیطان ہیں ، خدا کے سادہ بندوں کو پھانسنے کے لیے مختلف حیلے بہانے کرتے رہتے ہیں ، لیکن آخر ان کی یہ فریب کاری ، افترا پردازی اور بےشرمی آشکار ہو کر رہتی ہے ۔ چنانچہ ہر چند ایسے لوگوں نے بومسیلمہ ایسے جھوٹے مدعی نبوت کو ''احمد'' کے لقب سے پکارا مگر انجام کار وہ کذاب ہی کہلایا اور حق و صداقت کے علم بردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہی اولوالالباب کہلائے :

زرِ قلب و زرِ نیکو در عیار | بی محک ہرگز ندانی ز اعتبار
ہر کرا در جان خدا بنہد محک | ہر یقین را باز داند او ز شک
آنچہ گفت ''استفت قلبک'' مصطفیٰ | آن کسی داند کہ پُر بود از وفا

• • •

حسِ دنیا نردبانِ این جہان | حسِ عقبیٰ نردبانِ آسمان
صحتِ این حس بجوئید از طبیب | صحتِ آن حس بجوئید از حبیب
صحتِ این حس ز معموری تن | صحتِ آن حس ز تخریبِ بدن

• • •

آن یکی را روی او شد سوی دوست | وین یکی را روی او خود روی دوست
روی ہر یک مینگر میدار پاس | بوکہ گردی تو ز خدمت بوشناس
چون بسی ابلیس آدم روی ہست | پس بہر دستی نشاید داد دست
زانکہ صیاد آورد بانگ صفیر | تا فریبد مرغ را آن مرغ گیر
بشنود آن مرغ بانگ جنس خویش | از ہوا آید بیابد دام و نیش
حرف درویشان بدزدد مرد دون | تا بخواند بر سلیمی زان فسون

کار مردان روشنی و گرمی ست کار دونان حیلہ و بے شرمی ست
شیر پشمین از برای کد کنند بو مسیلم را لقب احمد کنند
بو مسیلم را لقب کذاب ماند مر محمد را اولوالالباب ماند
آن شراب حق ختامش مشک ناب بادہ را ختمش بود گند و عذاب[6]

پہلے دفتر میں نصاریٰ اور وزیر کے درمیان گفتگو کے ذیل میں حضور ؐ کو صدر صدور کے لقب سے یاد کیا گیا ہے ۔ یہاں یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انسان نفس کے ایک جال سے نکلتا ہے تو وہ اسے کسی دوسرے جال میں پھانس لیتا ہے ، اور یوں انسان کے اعمال صالح ضائع ہوتے رہتے ہیں ۔ مولانا نے اس صورت حال کو گندم کے ڈھیر اور چوہے کی تمثیل سے واضح کیا ہے ۔ چوہا چوری چھپے گندم کے ڈھیر سے کھاتا رہتا ہے ۔ اس کی خبر مالک کو اس وقت ہوتی ہے جب گندم کا بہت بڑا حصہ تلف ہو چکا ہوتا ہے ۔ اسی طرح نفس کا چوہا اعمال صالح کی گندم کے تھیلے میں سوراخ کر کے اسے نقصان پہنچاتا رہتا ہے ۔ مولانا کے نزدیک اس سے بچنے کا علاج سرکار دو عالم صلعم کی اس حدیث میں ہے کہ "حضور قلب کے بغیر نماز صحیح نہیں ہے" ، اس لیے کہ اگر بے حضوری ہو تو نماز محض جنبش اعضا ہوگی ۔ گویا ان طریقوں سے یہ نفس انسان کی مدتوں کی عبادات و اعمال کو گندم تلف کرنے والے چوہے کی مانند ضائع کر دیتا ہے ۔ اس حصے کے شروع میں وزیر کے مکر کا ذکر کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ رسول پاک ؐ کے صحابہ کرام رض اکثر آپ ؐ سے نفس کے مکر و فریب کے بارے میں پوچھا کرتے تھے کہ وہ کون سی پوشیدہ اغراض ہیں جنھیں یہ نفس مکار عبادات میں ملا کر انھیں ضائع کر دیتا ہے ۔ ان صحابہ رض کی یہ ستودہ عادت تھی کہ وہ ظاہری فضل و بزرگی کی تلاش کے بجائے باطنی عیوب پر نظر رکھتے تھے جس کے سبب وہ نفس کے مکر کو پوری طرح جانتے پہچانتے تھے ۔ اس کے بعد مولانا نے مکر نفس سے بچنے کی بڑی عاجزانہ دعا کی ہے :

بود اینے معنی صحابہ رض از رسول ؐ ملتمس بودند مکر نفس غول

۶- "مثنوی شریف" ، دفتر اول ، ص ۱۱ ، ۱۲ ۔

گو چہ آمیزد ز اغراض نہان
در عبادت ہا و در اخلاص جان
فضل ظاہر را بجستندی ازو
عیب باطن را بجستندی کہ گو
مو بمو و ذرہ ذرہ مکر نفس
می شناسیدند چون گل از کرفس

• • •

صد ہزاران دام و دانہ است ای خدا
ما چو مرغان حریص بی نوا
دمبدم پابستۂ دام نویم
ہریکی گر باز و سیمرغی شویم
میرہانی ہردمی ما را و باز
سوی دامی میرویم ای بی نیاز
ما در این انبار گندم می کنیم
گندم جمع آمدہ گم می کنیم
می نیندیشیم آخر ما بہوش
کاین خلل در گندمست از فکر موش
موش تا انبار ما حفرہ زدہ است
وز فنش انبار ما ویران شدہ است
اول ای جان دفع شر موش کن
و آنگہ اندر جمع گندم جوش کن
بشنو از اخبار آن صدر صدورؑ
''لا صلٰوۃ تم الا بالحضور''
گر نہ موشی دزد در انبار ماست
گندم اعمال چل سالہ کجاست[۷]

حضور صلعم کے اسم مبارک کی تعظیم کے ثمرات و برکات اور عدم تعظیم کی صورت میں ذلت و خواری کا ذکر مذکورہ وزیر ہی کی داستان میں یوں بیان ہوا ہے کہ انجیلِ مقدس میں نبی کریمؐ کا نام نامی ، حلیہ مبارک اور آپؐ کے غزوات اور روزہ وغیرہ کا ذکر موجود تھا ۔ بہت سے نصرانی جب دورانِ مطالعہ اس ذکرِ خیر تک پہنچتے تو ثواب کی خاطر آپؐ کے اسم گرامی کو بوسہ دیتے اور تعظیم کے طور پر اس جگہ چہرہ سائی کرتے ۔ اس کے نتیجے میں وہ لوگ غیر نصرانی مقتدرین کے ہر قسم کے ظلم و ستم اور فتنوں سے محفوظ رہے اور حضور اکرمؐ کی اس تعظیم کی بدولت وہ لوگ خوب پھلے پھولے ۔ دوسری طرف نصرانیوں کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جس کا رویہ اس کے بالکل برعکس تھا ۔ نتیجۃً ان کے دین اور دنیا دونوں خراب ہوئے اور ذلت و خواری ان کا مقدر بنی ۔ مولانا یہاں فرماتے ہیں کہ جب حضور نبی کریمؐ کا اسم مبارک اس قدر حامی و ناصر اور باعثِ حفظ و خیر و برکت ہے تو آپ کی ذات گرامی کیسی

۷۔ ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۱۱ ۔

ہوگی؟ اس حصے میں حضورؐ کو مصطفیٰؐ، احمدؐ، بحرِ صفا، سرِ پیغمبران اور روح الامینؐ کے اسما و القاب سے یاد کیا گیا ہے:

بود در انجیل نام مصطفیؐ — آن سرِ پیغمبرانؐ، بحرِ صفاؐ
بود ذکر حلیہا و شکل او — بود ذکر غزو و صوم و اکل او
طایفہ نصرانیان بہر ثواب — چون رسیدندی بدان نام و خطاب
بوسہ دادندی بدان نام شریف — رو نہادندی بر آن وصف لطیف
اندرین فتنہ کہ گفتم، آن گروہ — ایمن از فتنہ بدند و از شکوہ
ایمن از شر امیران و وزیر — در پناہ نام احمدؐ مستجیر
نسل ایشان نیز ہم بسیار شد — نور احمدؐ ناصر آمد یار شد
و آن گروہ دیگر از نصرانیان — نام احمدؐ داشتندی مستہان
مستہان و خوار گشتند از فتن — از وزیر شوم رای شوم فن
مستہان و خوار گشتند آن فریق — گشتہ محروم از خود و شرط طریق
ہم مخبط دین شان و حکمشان — از پی طومارہای کژ بیان
نام احمدؐ چون چنین یاری کند — تا کہ نورش چون مدد کاری کند
نام احمدؐ چون حصاری شد حصین — تاچہ باشد ذات آن روح الامین[۸]

درجِ ذیل اشعار میں آپؐ کا ذکر احمدؐ، محمدؐ اور سیدؐ کے اسما سے آیا ہے۔ موضوع یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی کا پردہ فاش کرنا چاہتا ہے تو وہ شخص اللہ والوں کی تحقیر و تذلیل اور ان پر طعن و تمسخر کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ اس ضمن میں یہ مختصر کہانی دی گئی ہے:

ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک، شرارت کے طور پر، منہ ٹیڑھا کر کے لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا منہ سچ مچ ٹیڑھا ہو گیا۔ بھاگم بھاگ حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں پہنچا اور اپنی اس گستاخی کی معافی چاہی۔ یہاں رومی نے حضورِ حق عاجزی اور گریہ و زاری کی برکت بیان کی ہے۔ پھر یہ کہ کر کہ نبی اکرمؐ نے اُس شخص کو معاف فرما دیا، مولانا کمزوروں پر رحم کرنے کی تلقین کرتے ہیں تا کہ اللہ تعالیٰ تم پر رحم فرمائے:

۸۔ ایضاً، ص ۲۰، ۲۱۔

آن دہن کژ کرد و از تسخر بخواند | نام احمدؐ را ، دہانش کژ بماند
باز آمد کای محمدؐ عفو کن | ای ترا الطاف علم ''من لدن''
من ترا افسوس میکردم ز جہل | من بدم انسوس را منسوب و اہل
چون خدا خواہد که پردۂ کس درد | میلش اندر طعنۂ پاکان برد
ور خدا خواہد که پوشد عیب کس | کم زند در عیب معیوبان نفس
چون خدا خواہد که مان یاری کند | میل مارا جانب زاری کند
ای خنک چشمی که او گریان اوست | ای ہمایون دل که او بریان اوست
از پی ہرگریہ آخر خندہ ایست | مرد آخر بین مبارک بندہ ایست
ہر کجا آب روان ، سبزہ بود | ہر کجا اشک روان ، رحمت شود
باش چون دولاب نالان چشم تر | تا ز صحن جانت بر روید خضر
مرحمت فرمود سیدؐ عفو کرد | چون ز جرئت توبہ کرد آن روی زرد
رحم خواہی رحم کن بر اشکبار | رحم خواہی بر ضعیفان رحمت آر[۹]

دفتر اول ہی میں ایک جگہ جہد اور توکل کی بحث میں سرورِ کونینؐ کی ایک حدیث اور سنت کا ذکر آیا ہے ۔ جنگل کے جانور شیر کو توکل و قناعت کی زندگی بسر کرنے پر آمادہ کرنا چاہتے ہیں لیکن شیر جہد کا قائل اور اسے توکل سے افضل جانتا ہے ، اور اس سلسلے میں درجِ ذیل پس منظر کی حامل یہ حدیثِ رسول صلعم پیش کرتا ہے کہ پہلے اونٹ کے زانو باندھو پھر توکل کرو ۔

ایک مرتبہ کوئی اعرابی اپنے اونٹ کو کھلا چھوڑ کر اس بات کا مدعی ہوا کہ اس نے اسے اللہ کے توکل پر کھلا چھوڑ رکھا ہے ۔ حضور سرورِ دو عالمؐ کو اس کا پتا چلا تو آپؐ نے فرمایا کہ پہلے اس کے پاؤں باندھو پھر اللہ پر توکل کرو ۔ ان چند اشعار میں مولانا نے شیر کی زبانی اور حضور صلعم کی حدیث کے حوالے سے جد و جہد اور عملِ پیہم کا درس دیا ہے ۔ شیر دوسرے جانوروں سے مخاطب ہے :

گفت ''آری گر توکل رہبر است | این سبب ہم سنت پیغمبرؐ است''
گفت پیغمبرؐ باوازِ بلند | با توکل زانوی اشتر ببند

۹۔ ایضاً ، ص ۲۳ ۔

رمز "الکاسب حبیب اللہ" شنو — از توکل در سبب کاہل مشو
رو توکل کن تو با کسب ای عمو — جہد میکن کسب میکن مو بمو
جہد کن جدی نما تا وا رہی — ور تو از جہدش بمانی ابلہی[10]

اس سے ذرا آگے ظاہر و باطن کی بحث میں مؤخرالذکر کو افضل قرار دیتے ہوئے نبی کریمؐ اور ابوجہل کی مثال پیش کی گئی ہے۔ مولانا کے مطابق اگر صورت ہی کے لحاظ سے آدمی کا انسان ہونا قرار پاتا تو احمدؐ اور ابوجہل ایک جیسے ہی ہوتے۔ حضورؐ اور ابوجہل دونو بت خانے جاتے ہیں لیکن دونوں کے اس جگہ جانے میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ نبی کریمؐ وہاں تشریف لے جائیں تو بت مارے تعظیم کے جھک جائیں اور ابوجہل جائے تو خود ان بتوں کی پرستش اور تعظیم میں لگ جائے۔ یہاں مولانا روحانیت و معنویت کی تلاش پر زور دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ تصویرِ آدمی اور خود آدمی صورت کے لحاظ سے ایک ہی ہیں لیکن اول الذکر میں ایک کمی ہے اور وہ کمی روح کی ہے۔ اس اسی روح یا گوہرِ نایاب کی جستجو کرو۔ اسی روحانیت کی بنا پر سگِ اصحابِ کہف کو شیروں پر فضیلت حاصل ہوئی:

چند صورت آخر ای صورت پرست — جانِ بی معنیت از صورت نرست
گر بصورت آدمی انسان بدی — احمدؐ و بوجہل ہم یکسان بدی
احمدؐ و بوجہل در بتخانہ رفت — زین شدن تا آن شدن فرقیست زفت
این در آید سر نہند آنرا بتان — و آن در آید سر نہد چو امتان
نقش بر دیوار مثل آدم است — بنگر از صورت چہ چیز او را کم است
جان کم است آن صورت بیتاب را — رو بجو آن گوہر کمیاب را

۱۰۔ "مثنوی شریف"، دفتر اول، ص ۲۹۔ اس سے قبل بھی اسی ضمن میں شیر کی زبانی یہ حدیثِ مبارک پیش کی گئی ہے کہ مومن ایک سوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا:

گفت آری گر وفا بینم نہ مکر — مکرہا بس دیدہ ام از زید و بکر
من ہلاک قول و فعل مردمم — من گزیدہ زخم مار و کژدمم
گوش من "لایلدغ المومن" شنید — قول پیغمبرؐ بجان و دل گزید

شد سر شیرانِ عالم جملہ پست چون سگ اصحاب را دادند دست[11]

کہتے ہیں کہ حضورؐ ختمی مرتبت ایک مرتبہ کسی غزوہ سے واپس تشریف لائے تو آپؐ نے فرمایا کہ ہم جہادِ اصغر سے واپس آ چکے ۔ اب جہادِ اکبر کی نوبت ہے ۔ اور اس سے حضورؐ کی مراد مجاہدۂ نفس تھا ۔ مولانا رومی نے اسی حدیث ''رجعنا من الجهاد الاصغر الی الجهاد الاکبر'' کی تفسیر بیان کرتے ہوئے نفس کو ہدفِ تنقید بنایا ہے ۔ مولانا کہتے ہیں کہ ہم نے بیرونی دشمن کو تو ختم کر ڈالا ۔ اب اس سے زیادہ خطرناک اندرونی دشمن کی باری ہے ۔ اس نفس کو وہ شیر سے تشبیہ دیتے ہیں جسے مارنا خرگوش یعنی عقل و ہوش کے بس کی بات نہیں ۔ یہ نفس ایسا دوزخ ہے جسے ہزاروں دریا بھی ٹھنڈا نہیں کر سکتے اور جس کی پیاس سمندروں کے پانی سے بھی بجھ نہیں پاتی ۔ اس کے آگے بڑے بڑے دل گردے والے بھی خوار و زبوں ہیں ۔ یہ دوزخ بے حد و حساب غذا کے بعد بھی ''ہل من مزید'' کا نعرہ لگاتی ہے ۔ یہ اسی وقت ساکن ہوگی جب اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا ، اور چونکہ انسانی نفس دوزخ کا جزو ہے اور جزو اپنے کل ہی کی طبع پر ہوتا ہے ، اس لیے اس دوزخ یعنی نفس کو بھی خدا ہی مار سکتا ہے ۔ اس کی کمان کو زہ کرنا کسی دوسرے کی مجال نہیں ۔ یہاں مولانا کمان کی رعایت سے مخاطب کو ''راست'' رہنے کا درس دیتے ہیں تاکہ وہ کمانِ نفس سے باہر نکل سکے کیونکہ صرف تیرِ راست ہی کمان سے نکل سکتا ہے ۔ پھر وہ مجاہدۂ نفس کا ذکر کر کے مذکورہ حدیث لاتے اور جہادِ اکبر میں خود کو حضور اکرمؐ کے ہمراہی کہتے ہیں ۔ رومی خدا سے ایسی زبردست اور دریا شگاف طاقت کے طالب ہیں جس کی بدولت وہ سوئی ایسی معمولی شے سے نفس کے کوہ قاف کو اکھاڑ پھینکیں ۔ ان کے مطابق صف شکن ہونا کوئی بڑی بات نہیں ، سب سے بڑی بہادری خود شکنی ہے ۔ نفس شکن ہی خدا کے فضل و کرم سے شیرِ خدا بنتا اور نفس اور اس کی فرعونیت سے نجات پاتا ہے :

ای شہان کشتیم ما خصم برون ماند زو خصمی بتر در اندرون
کشتنِ این کارِ عقل و ہوش نیست شیر باطن سخرۂ خرگوش نیست

---

[11] ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۲۸ ۔

دوزخ ست این نفس و دوزخ اژدہاست
کو بدریاہا نگردد کم و کاست

''سیر گشتی سیر؟'' گوید نی ہنوز
اینت آتش اینت تابش اینت سوز

* * *

عالمی را لقمہ کرد و در کشید
معدہ اش نعرہ زنان ''ہل من مزید''

حق قدم بر وی نہد از لامکان
آنگہ او ساکن شود از کن فکان

چونکہ جزو دوزخست این نفس ما
طبع کل دارد ہمیشہ جزو ہا

این قدم حق را بود کو را کشد
غیر حق خود کہ کمان او کشد

در کمان ننہند الا تیر راست
این کمان را بازگون کژ تیرہا ست

راست شو چون تیر و وا رہ از کمان
کز کمان ہر راست بجہد بیگمان

چون کہ وا گشتم ز پیکار برون
روی آوردم بہ پیکار درون

قد رجعنا من جہاد الا صغریم ۔ ۔ ۔
با نبیؐ اندر جہاد اکبریم

قوت خواہم ز حق دریا شگاف
تا بسوزن بر کنم این کوہ قاف

سہل شیری دان کہ صفہا بشکند
شیر آنست آنکہ خود را بشکند

تا شود شیر خدا از عون او
وا رہد از نفس و از فرعون او[۱۲]

دفتر اول میں ہندوستان جانے والے سوداگر اور طوطے کی کہانی کے ذیل میں ایک جگہ حکیم سنائی کے ایک شعر[۱۳] کی تفسیر کے ساتھ حضور صلعم کی ایک حدیث ''ان سعد الغیور ۔ ۔ ۔ الخ''[۱۴] کے معنی بیان کیے ہیں ۔ چونکہ بجز عنوان کے اس حصے کے اشعار میں نبی کریمؐ کا ذکر خیر نہیں آیا اس لیے اس سے صرف نظر کیا جاتا ہے ۔

اس سے چند اشعار کے بعد مولانا نے سرور کونینؐ کی چار احادیث کا ذکر اور ایک موقع پر بارش میں آپؐ کے نہ بھیگنے کا واقعہ بیان کیا ہے ۔

۱۲۔ ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۳۸ ۔

۱۳۔ ملاحظہ ہو ''کتاب مثنوی'' ، ص ۴۷ :

ہر چہ از راہ واماني چہ کفر آن حرف و چہ ایمان
ہر چہ از دوست دور افتی چہ زشت آن نقش و چہ زیبا

۱۴۔ یقیناً سعدؓ بہت غیرت مند ہے اور میںؐ سعدؓ سے بھی زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے اور اس نے اپنی غیرت ہی کے باعث ہر قسم کے فواحش کو حرام قرار دیا ہے خواہ وہ ظاہر ہوں خواہ خفی ۔

اس حصے میں حضورؐ کا ذکرِ مبارک کئی اشعار کو محیط ہے ۔

حدیث مبارک ہے ''من کان للّٰہ کان اللہ لہ'' (جو کوئی اللہ کا ہو جاتا ہے اللہ اس کا ہو جاتا ہے) ۔ یہ حدیث بیان کرکے مولانا نے بالواسطہ اور بلا واسطہ اکتسابِ نور کے نظریے پر روشنی ڈالی ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ جس طرح لوہا آگ میں پڑ کر سرخ ہو جاتا ہے اور اس طرح آگ کی بعض صفات اس میں در آتی ہیں ، اسی طرح اللہ کے خاص بندے بھی مقامِ کمال پر پہنچ کر خدائی صفات سے متصف ہو جاتے ہیں ۔ رومی کے مطابق نورِ الٰہی کا طالب براہِ راست اللہ تعالیٰ سے بھی کسبِ نور کر سکتا ہے اور نورِ ازلی سے منور اولیا اللہ سے بھی ۔ ۔ ۔ یہاں مولانا خدا کی طرف سے جوہرِ انسانیت میں اسما کا علم رکھے جانے کا ذکر کرکے کہتے ہیں کہ انسان اس جوہر کو اجاگر کر کے نورِ معرفت حاصل کر سکتا ہے ۔ یہ گویا بالواسطہ اکتساب ہوگا جس کی اصل علم الٰہی کا نور ہی ہے ۔ پھر اس بات کو اس مثال سے واضح کیا گیا ہے کہ پانی براہِ راست ندی سے بھی لیا جا سکتا ہے اور اس برتن سے بھی جو اس ندی سے بھرا گیا ہو ۔ دوسری مثال سورج اور چاند کی روشنی کی ہے (یعنی چاند سورج ہی کی روشنی سے منور ہوتا اور پھر نور پھیلاتا ہے) ۔

مولانا اسی طرح مختلف تمثیلات سے مذکورہ نکتہ کی وضاحت کرتے ہوئے ستاروں کی طرف متوجہ ہوتے ہیں کہ وہ بھی روشنی دیتے اور مسافروں کو راہ دکھاتے ہیں ۔ اس ضمن میں نبی کریمؐ کی ایک اور حدیث کا حوالہ آ گیا ہے جس کا مطلب ہے کہ میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ۔ تم جس کسی کی بھی پیروی کرو گے ہدایت پاؤ گے ۔ اس کے ساتھ ہی تیسری حدیثِ مبارک ہے کہ خوشی ہے اس شخص کے واسطے جس نے مجھے دیکھا اور سات مرتبہ خوشی ہے اس کے لیے جس نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا ۔ اس کے بعد مولانا اسی موضوع کو چراغ کی تمثیل سے روشن کرتے ہیں ، کہ ایک چراغ سے کئی چراغ جل سکتے ہیں ۔ نور ، خواہ تم پہلے چراغ سے حاصل کرو خواہ آخری چراغ سے ، اس میں کوئی فرق نہیں ۔ نور الٰہی وہی ہے جس کے ذریعے سے چراغ جلتا ہے :

آب خواہ از جو بجو ، خواہ از سبو　　کاین سبو را ہم مدد باشد ز جو

نور خواہ از مہ بجو خواہی ز خور	نور مہ ہم ز آفتاب ست ای پسر
مقتبس شو زود چون یابی نجوم	گفت پیغمبرؐ کہ "اصحابی نجوم"
گفت "طوبیٰ من رآنی" مصطفیٰؐ	"والذی یبصر لمن وجہی رآی"
چون چراغی نور شمعی را کشید	ہر کہ دید آنرا یقین آن شمع دید
ہمچنین تا صد چراغ ار نقل شد	دیدن آخر لقای اصل شد
خواہ از نور پسین بستان تو آن	ہیچ فرق نیست خواہ از شمع دان
خواہ نور از اولین بستان بجان	خواہ از نور پسین ، فرق مدان
خواہ بین نور از چراغ آخرین	خواہ بین نورش ز شمع غابرین[۱۵]

چوتھی حدیث جس کی تفسیر بیان کی گئی ہے "ان لربکم فی ایام دہرکم نفحات الا فتعرضوا لہا" [یقیناً تمھارے زمانے کے دن تمھارے رب کے لیے خوشبو کی لپٹیں ہیں ۔ دیکھو ان لپٹوں سے تمتع حاصل کرو] ہے ۔ اس حصے میں نفحہ اور اوقات سے بحث کرتے ہوئے مولانا ان اوقات و نفحات کی طرف توجہ کرنے کو کہتے ہیں - پھر وہ نفحات کی مختلف اقسام بتاتے ہیں ، مثلاً ایک جھونکے سے آگ بجھ جاتی ہے ، ایک سے مردہ جسم میں جان آ جاتی ہے ، وغیرہ ۔ اسی ضمن میں قرآنی آیت کا حوالہ دیا ہے جس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی امانت زمین ، آسمانوں اور پہاڑوں کو پیش کی لیکن اُنھوں نے ڈر کے مارے اسے اٹھانے سے اجتناب برتا ، اور انسان نے اسے اٹھا لیا ، بے شک انسان بڑا ظالم اور جاہل ہے ۔ پھر مولانا بتاتے ہیں کہ لقمہ نے انسان کی لقانی چھین لی ہے ، یعنی ہر انسان کو قدرت کی طرف سے حکمت و دانائی ودیعت ہوتی ہے لیکن حرص و ہوس کے سبب وہ حکمت کے اظہار سے محروم ہو جاتا ہے ۔ اس لقمے کی خاطر لقمان (انسان) کا یوں مضطرب ہونا بڑے افسوس کی بات ہے ۔ یہاں مولانا انسان کو روٹی کا اندھا ، دوسرے لفظوں میں ناشکرا اور ندیدہ ، اور اس کے لقمہ حرام کو ، جسے اس نے کھجور سمجھا ، کانٹا قرار دیتے ہیں ۔ یہ جانِ انسان گلستانِ الٰہی ہے ۔ یہ کانٹوں سے زخمی کیوں ہو ؟ اس جگہ بڑی پیاری اور

۱۵۔ "مثنوی شریف" ، دفتر اول ، ص ہ ، خلیفہ عبدالحکیم ، "تشبیہاتِ رومی" ، ص ۸۳ ، ۸۴ ۔

اچھوتی تمثیل سے انسانی ہوس کی تباہ کاری کو بیان کیا گیا ہے - بقولِ رومی روح اور وجود کی مثال ایسے ہے جیسے کوئی انسان اُونٹ پر سوار ہو - اس اونٹ پر پھولوں کی ٹوکری لدی ہو جس کی خوشبو سے باغ بھی مہک اٹھتے ہوں - لیکن اُونٹ صرف کانٹوں ہی پر منہ مارتا چلا جاتا ہو - گویا انسان جو اپنی باطنی وسعتوں میں آفاق سے بھی بڑھ کر اور تمام عالموں کا تسخیر کنندہ ہے، محض ایک کانٹے کی خاطر ان روحانی اوصاف سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے :

گفت پیغمبرؐ کہ نفحتہای حق ‏ ‏ اندرین ایام می آرد سبق
گوش ہش دارید این اوقات را ‏ ‏ در رہائید این چنین نفحات را
نفحہ ای آمد شما را دید و رفت ‏ ‏ ہر کرا میخواست جان بخشید و رفت

* * *

جان آتش یافت زان آتش کشی ‏ ‏ جان مردہ یافت از وی جنبشی
جان ناری یافت از وی انطفا ‏ ‏ مردہ پوشید از بقای او قبا
تازگی و جنبش طوبی ست این ‏ ‏ ہمچو جنبشہای خلقان نیست این
گر در افتد در زمین و آسمان ‏ ‏ زہرہ شان آب گردد در زمان
خود ز بیم این دم بی منتہی ‏ ‏ باز خوان "فابین ان یحملنہا"
ورنہ خود "اشفقن منہا" چون بُدی ‏ ‏ گر نہ از بیمش دل کُہ خون شدی
دوش دیگر گونہ این میداد دست ‏ ‏ لقمۂ چندین برآمد رہ ببست

* * *

خار دان آنرا کہ خرما دیدہ ای ‏ ‏ زانکہ بس نان کور و بس نادیدہ ای
جان لقمان کہ گلستان خداست ‏ ‏ پای جانش خستۂ خاری چراست
اُشتر آمد این وجود خار خوار ‏ ‏ مصطفیٰ زادی[16] برین اُشتر سوار

* * *

اُشترا تنگ گلی بر پشت تست ‏ ‏ کز نسیمش در تو صد گلزار رست
میل تو سوی مغیلان ست و ریگ ‏ ‏ تاچہ گل چینی ز خار ای مردہ ریگ

* * *

۱۶- مراد : مسلمان -

آدمی کو می نگنجد در جہاں در سر خاری ہمی گردد نہاں[۱۷]

اسی حصے میں پھر فخرِ موجودات ؐ کو بیشتر مصطفیٰ (صلعم) کے فرخندہ لقب سے یاد کیا گیا ہے ۔ منقول ہے کہ جب کبھی حضورِ اکرم ؐ ملالت و خستگی سے دو چار ہوتے تو فرماتے : اے حمیرا رضؓ[۱۸] ! مجھ سے باتیں کرو ۔ یہاں مولانا نے جان کو حمیرا کہہ کر اس کی طرف توجہ کرنے کو کہا اور روح یا معنویت کی عظمت و پائندگی بیان کی ہے ۔ ان کے مطابق انسان ظاہری غذاؤں کی لذت و شیرینی سے محظوظ و لذت اندوز ہونے میں کوشاں رہتا ہے اور اسی بنا پر وہ رشوت و شہوت کی عارضی چاشنی پر مر مر جاتا ہے ۔ گویا وہ اس معاملے میں بالکل کور علم یا کور ذوق ہے ، اس لیے کہ یہ لذت و چاشنی جس کا تعلق خارجی اشیاء سے ہے ، آنی و فانی ہے ؛ یعنی جیسے ہی حاملِ شیرینی شے ختم یا غائب ہوئی شیرینی کا ذوق و احساس بھی جاتا رہا ۔ تو اگر روحِ انسان تاثیرِ وفا سے خود شکر بن جائے ، دوسرے لفظوں میں عشقِ الٰہی سے سرشار ہو جائے ، تو پھر اس شیرینی کے ختم یا غائب ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ رومی کے نزدیک بے وفائی ـــــ انسان کی عشقِ حقیقی سے ہٹ کر ظاہری کیفیتوں اور لذتوں کے حصول کی دیوانہ وار کوشش ـــــ زہرِ محض ہے ۔ اس لیے وہ اللہ تعالیٰ سے ''نعم الورا''[۱۹] عطا کرنے کی دعا کرتے ہیں ۔

عشقِ الٰہی کی یہ ہمیشہ برقرار رہنے والی لذتیں اور نعمتیں عقل کی رسائی سے باہر ہیں ۔ عقلِ جزوی تو عشق کی سرے ہی سے منکر ہے ، ہر چند وہ خود کو صاحبِ اسرار ظاہر کرتی ہے ۔ اس کی ساری زیرکی و دانائی عشق کے آگے ہیچ ہے ۔ اس عقلِ محدود کا تعلق صرف انسانی قول و فعل سے ہے اور حال (عشق) کے معاملے میں وہ بے بس ہے ۔ اس موقع پر پھر حضورِ اکرم ؐ سے

۱۷- ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۵۱ ، ۵۲ ، خلیفہ عبدالحکیم ، کتاب مذکور ، ص ۸۵ ۔

۱۸- حضور نبی کریم ؐ نے حضرت عائشہ رضؓ کو حمیرا (سرخ عورت) کا لقب دے رکھا تھا ۔ آپ رضؓ بڑی شیرین زبان تھیں (''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، حاشیہ ، ص ۵۲) ۔

۱۹- مراد اچھی وفا ۔

متعلق ایک واقعہ کا ذکر آ گیا ہے ۔ مولانا روح اور اس کی ندا کو "کہال" کہتے اور حضور ختمی مرتبت کے اس ارشاد "اے بلالؓ مجھے راحت دے" (حضورؐ نے نماز کو آنکھوں کی ٹھنڈک کہا ہے ، اسی لیے اذان کو راحت قرار دیا) سے استفادہ کرتے ہوئے حضورؐ کی زبان سے حضرت بلالؓ سے ایسے دم (نفس ، ندا) کی خواہش کرتے ہیں جس نے آدم کو مدہوش اور اہلِ آسمان کو بے ہوش کر دیا تھا ۔

اس کے بعد شبِ تعریس[۲۰] کا واقعہ بیان کرتے ہوئے یہ کہا گیا ہے کہ حضور ختمی مآب اسی صوتِ خوب (ندا) کے باعث کچھ اس طرح خواب فرما ہوئے کہ صبح کی نماز بھی قضا ہو گئی ۔ مولانا نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ حضورؐ کی جانِ پاک شبِ تعریس اس عروس (محبوبِ حقیقی) کی دست بوسی میں مشغول تھی ۔

پھر یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ کے پاک و برگزیدہ بندے عیب جوئی سے دور رہتے ہیں ۔ یہ کام (عیب جوئی) جہلا کا ہے ۔ اس حصے میں لفظ "نمک" آ گیا ہے اور مولانا اب اسی کی طرف متوجہ ہو کر کہتے ہیں کہ وہ نمک (عشق) جس سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم املح و افصح ٹھہرے آج بھی باقی ہے ۔ اس میراث کے وارث اولیاء اللہ سامنے موجود ہیں لیکن عام آدمی کو اس کی خبر نہیں ، اس

۲۰۔ شبِ تعریس : مسافر کا آخرِ شب اُترنا ۔ مولوی عبدالمجید پیلی بھیتی ، "بوستانِ معرفت" دفتر اول ، ص ۲۱۰) روایت ہے کہ جب نبی کریمؐ نے غزوۂ خیبر سے مراجعت کی تو راستے میں ایک موقع پر آخرِ شب حضورؐ پر نیند کا غلبہ ہوا ۔ حضورؐ نے حضرت بلالؓ سے کہا کہ تم ذرا پہرہ دو تا کہ ہم آرام کر لیں ۔ چنانچہ حضور نبی کریمؐ اور صحابہؓ سبھی سو گئے ۔ حضرت بلالؓ اس دوران نماز ادا کرتے رہے لیکن تھکاوٹ کے سبب ان پر بھی نیند کا جادو چل گیا ۔ سورج طلوع ہو گیا اور کوئی بھی بیدار نہ ہوا ، تا آنکہ حضورؐ بیدار ہوئے اور بلال سے فرمایا : تم نے ہمیں فرض ادا کرنے کے لیے بیدار کیوں نہ کیا ؟ بلال نے عرض کیا : یا رسول اللہ صلعم مجھے بھی نیند آ گئی تھی ۔ حضورؐ اسی وقت وہاں سے روانہ ہو گئے اور دوسری جگہ پہنچ کر نماز قضا ادا کی ("مثنوی شریف" ، دفتر اول ، حاشیہ ، ص ۵۲) ۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی "التکشف عن مہمات التصوف" ، ص ۸۲ بھی ملاحظہ ہو ۔

لیے کہ وہ جسم کا قیدی ہے اور اس کی جان پیش و پس سے بے خبر - پھر مولانا اس پیش و پس اور زیر و بالا کو مادیت کی علامت قرار دیتے اور کہتے ہیں کہ وہ جانِ پاک (اللہ جل جلالہٗ) جہات و اطراف سے بری ہے - صرف چشم بصیرت وا کرنے کی ضرورت ہے - شادی و غم کے ذکر میں وہ کہتے ہیں کہ اسے ہی سب کچھ نہ سمجھا جائے - پھر رومی بارش کی رعایت سے تلقین کرتے ہیں کہ روزِ باراں (یومِ حساب) قریب ہے ، اس سے بچنے کے لیے دن بھر چلتے رہو (عمل صالح اختیار کرو) - یہ باران صرف چشمِ جان ہی سے دیکھی جا سکتی ہے - چشمِ جان کھولو تا کہ سبزۂ قدرت کو عیاں دیکھ سکو :

مصطفیٰؐ آمد کہ سازد ہمدمی   کلمینی یا حمیراؓ کلمی
ای حمیرا آتش اندر نہ تو نعل   تا ز نعل تو شود این کوہ لعل

* * *

چون تو شیرین از شکر باشی ، بود   کان شکر گاهی ز تو غائب شود
چون شکر گردی ز تاثیر وفا   پس شکر کی از شکر باشد جدا
زہر محض است آنکہ باشد بیوفا   ہب لنا یا ربنا نعم الورا

* * *

جان کمال است و ندای او کمال   مصطفیٰؐ گویان "ارحنا یا بلالؓ
ای بلال افراز بانگ سلسلت   ز آن دمی کاندم دمیدم در دلت
ای بلال این گلبنت را جان سپار   خیز و بلبل وار جان میکن نثار
زان دمی کادم ازو مدہوش گشت   ہوش اہلِ آسمان بیہوش گشت"
مصطفیٰؐ بیخویش شد زان خوب صوت   شد نمازش از شب تعریس فوت
سر از ان خواب مبارک بر نداشت   تا نماز صبحدم آمد بچاشت
در شبِ تعریس پیش آن عروس   یافت جان پاک ایشان دستبوس
عشق و جان ہر دو نہانند و ستیر   گر عروسش خوانده ام عیبم مگیر
از ملال یار خامش گردمی   گر ہمو مہلت بدادی یک دمی
لیک میگوید بگو ہین عیب نیست   جز تقاضای قضای غیب نیست
عیب باشد کو نہ بیند جز کہ عیب   عیب کی بیند روان پاک غیب

عیب شد نسبت بمخلوق جہول | نی بہ نسبت با خداوند قبول

* * *

جان دشمن دار شان جسمی ست صرف | چون زیاد از نزد او اسمی ست صرف
آن بخاک اندر شد و کل خاک شد | این نمک اندر شد و کل پاک شد
آن نمک کز وی محمد املح است | ز ان حدیث با نمک او افصح ست
آن نمک باقیست از میراث او | با تو اند آن وارثان او ، بجو
پیش تو شستہ ، ترا خود پیش کو | پیش ہستت جانِ پیش اندیش کو
گر تو خود را پیش و پس داری گمان | بستۂ جسمی و محرومی ز جان[۲۱]

ایک روز حضرت مصطفیٰ صلعم کسی جنازے کے ساتھ قبرستان تشریف لے گئے - واپسی پر حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس پہنچے - آپ نے بڑے تعجب سے حضور اکرم کے عمامہ ، چہرہ اور موے مبارک ، گریبان اور بازوے مبارک پر ہاتھ پھیر کر دیکھا - حضور صلعم نے اس کا سبب پوچھا تو حضرت عائشہؓ بولیں : آج بارش ہوئی تھی - میں یہ دیکھ رہی ہوں کہ حضورؐ کا لباس ذرا بھی تو گیلا نہیں ہوا - پھر آپؓ نے حضورؐ سے پوچھا کہ حضورؐ نے کون سا کپڑا سر پر رکھا تھا ؟ رسولِ خدا صلعم نے فرمایا : تمھاری چادر سے خود کو ڈھانپ رکھا تھا - پھر فرمایا کہ اے پاک دامن ! اسی لیے اللہ جل جلالہٗ نے تمھاری چشمِ پاک کو باران غیب دکھائی - یہ عام باران نہیں جو آسمان پر چھائے ہوئے بادل برساتے ہیں - اس کا بادل ہی اور ہے اور اس کے نزول میں رحمتِ حق پوشیدہ ہے :

مصطفیٰؐ روزی بگورستان رفت | با جنازۂ مردی از یاران برفت
خاک را در گور او آگندہ کرد | زیر خاک آن دانہ اش را زندہ کرد

ان دو اشعار کے بعد درختوں کا ذکر آ گیا ہے تو ان کو چشمِ بصیرت سے دیکھنے کی تلقین اور منکرانِ قدرت پر تنقید کی گئی ہے :

چون ز گورستان پیمبر باز گشت | سوی صدیقہؓ شد و ہمراز گشت

۲۱- "مثنوی شریف" ، ص ۵۲ ، ۵۳ - "کتابِ مثنوی" ، ص ۵۳ -

چشم صدیقہؓ چو بر رویش فتاد — پیش آمد دست بر وی می نہاد
بر عمامہ و روی او و موی او — بر گریبان و بر و بازوی او
گفت پیغمبرؐ "چہ میجوئی شتاب" — گفت "باران آمد امروز از سحاب
جامہ ہایت می بجویم در طلب — تر نمی بینم ز باران ای عجب"
گفت "چہ بر سر فکندی از ازار" — گفتؓ "کردم آن ردای تو خمار"
گفتؐ "بہر آن نمود ای پاک جیب — چشم پاکت را خدا باران غیب"
نیست آن باران ازین ابر شما — ہست ابر دیگر و دیگر سما
این چنین باران ز ابر دیگر است — رحمت حق در نزولش مضمر است۲۲

اس واقعہ کو درمیان ہی میں چھوڑ کر مولانا حضورؐ کی اس حدیث "اغتنموا برد الربیع فانہ' یعمل بابدانکم کما یعمل باشجارکم ۔ ۔ ۔ الخ" کی تفسیر بیان کرنے لگتے ہیں ۔ وہ اس حدیث کا ترجمہ کرتے ہوئے ــــ کہ حضور کا فرمان ہے بہار کی سردی سے جسموں کو نہ ڈھانپو کیونکہ یہ تمہاری جانوں کو اسی طرح شگفتہ و ترو تازہ کر دیتی ہے جس طرح درختوں کو ، لیکن خزاں کی سردی سے بچو کہ وہ تمہارے جسموں پر وہی اثر کرتی ہے جو درختوں وغیرہ پر ــــ کہتے ہیں کہ راویوں نے اس کے ظاہری معنی ہی لیے اور انہی پر قناعت کر بیٹھے ۔ ایسے لوگ اس قولِ مبارک کی روح سے بے خبر رہے ۔ دوسرے لفظوں میں اُنھوں نے پہاڑ تو دیکھا لیکن اس میں پوشیدہ کان ان کی نظروں سے اوجھل رہی ۔ رومی کے مطابق خزاں خدا کے نزدیک نفس و ہوا ہے جب کہ عقل و جاں بہار اور باعثِ بقا ہے ۔ چونکہ عام انسان کی عقل جزوی ہے اس لیے وہ کسی کامل العقل کو تلاش کرنے پر زور دیتے ہیں ۔ پھر اس کی تاویل اس طرح کرتے ہیں کہ خدا کے برگزیدہ بندے بہار کی مانند ہیں جن سے روح کو بالیدگی اور تازگی ملتی ہے ۔ لہٰذا اللہ کے ان خاص بندوں کی نرم و درشت باتوں سے منہ نہ موڑو کہ یہ دین کے لیے پشت و پناہ ہیں ۔ ان کی گرم گفتاری اور سرد گفتاری کو اپنے حق میں بہتر سمجھو تا کہ سرد و گرمِ زمانہ اور آتشِ دوزخ سے محفوظ رہو ۔ ان کا گرم و سرد نوبہار زندگی اور مایہٴ صدق

۲۲- "کتابِ مثنوی"، ص ۵۲، ۵۳ -

و یقین و بندگی ہے ۔ اگر عاقل کے باغِ دل سے ایک خلال کم ہو جائے تو اس کو ہزاروں غم ہوتے ہیں :

قول پیغمبرؐ شنو ایمان من	دور کن از خویشتن انکار و ظن
گفت پیغمبرؐ ز سرمای بہار	تن مپوشانید یاران ز بہار
زانکہ با جان شما آن میکند	کان بہاران با درختان میکند
پس غنیمت باشد آن سرمای او	در جہان بر عارفان وقت جو

* * *

آن خزان نزد خدا نفس و ہوا ست	عقل و جان ہمچون بہار است و بقاست
گر ترا عقلی است جزوی در نہان	کامل العقلی بجو اندر جہان
جزو تو از کل او کلی شود	عقل کل بر نفس چون غلی شود
پس بتاویل این بود کانفاس پاک	چون بہار است و حیات برگ و تاک
از حدیث اولیا نرم و درشت	تن مپوشان زانکہ دینت راست پشت
گرم گوید سرد گوید خوش بگیر	تا ز گرم و سرد بجہی وز سعیر
گرم و سردش نو بہار زندگیست	مایۂ صدق و یقین و بندگیست
زانکہ زان بستان جانہا زندہ است	زان جواہر بحر دل آگندہ است
بر دل عاقل ہزاران غم بود	گر ز باغ دل خلالی کم شود[۲۳]

اسی غم کو بنیاد بنا کر مولانا پھر بارش والے واقعہ کی طرف رجوع کرتے ہیں ۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ نے بڑے ہی صدق اور خشوع و ادب کے ساتھ حضورؐ سے سوال کیا کہ آج جو بارش ہوئی اس میں کون سی حکمت پوشیدہ تھی ؟ یہ بارانِ رحمت تھی یا خدائے بزرگ و برتر کی طرف سے تہدید تھی ، یا یہ لطف بہاری تھا یا خزاں کی آفات میں سے ۔ آپؐ نے جواب میں فرمایا کہ یہ باران اس غم کی تسکین کی خاطر ہے جس نے انسان کو اس پر واردہ مصیبت کی بنا پر گھیر رکھا ہے ۔ اس کے بعد جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ اگر انسان کے لیے اس تسکین کا سامان نہ کیا جاتا اور وہ مصیبت کی آگ میں اسی طرح جلتا رہتا تو یہ دنیا جلد ہی خرابی و بربادی اور ویرانی کا شکار ہو جاتی ، اور انسان حرص و ہوس یا آرزو سے بالکل عاری

۲۳۔ ایضاً ، ص ۵۴ ، ۵۵ ۔

ہو جاتا ، یعنی لوگ تارک الدنیا ہو جاتے ۔ مولانا ''غفلت'' کو اس دنیا کا ستون ، جس پر وہ قائم ہے ، اور ''ہوشیاری'' کو اس کے لیے باعث آفت قرار دیتے ہیں ۔ ان کے مطابق ''ہوشیاری'' کا تعلق عالم بالا سے ہے ۔ اگر یہ غالب آ جائے تو یہ دنیا پست و نیست ہو جائے ۔ اس کی وضاحت رومی نے سورج اور برف ، اور پانی اور گندگی کی تمثیلات سے کی ہے ، یعنی جس طرح سورج برف کو فوراً پگھلا دیتا ہے اور پانی گندگی کو دھو ڈالتا ہے ، اسی طرح ''ہوشیاری'' کا غلبہ اس دنیا کو نابود کر دے گا ۔ چنانچہ اس آتش حرص و حسد کو کسی حد تک سرد رکھنے کے لیے باران رحمت کا نزول ترشح کی صورت میں ہوتا رہتا ہے تاکہ وہ پوری طرح سر اٹھانے نہ پائے ، اور اگر اس ترشح میں اضافہ ہو جائے تو اس دنیا سے عیب و ہنر اور خوبی و بدی کا وجود ہی اٹھ جائے ۔ دوسرے لفظوں میں دنیا کا کاروبار رک جائے :

پس سوالش کرد صدیقہؓ ز صدق ۔۔۔ با خشوع و با ادب از جوش عشق
کای خلاصۂ ہستی و زبدۂ وجود ۔۔۔ حکمت باران امروزین چہ بود
این ز بارانہای رحمت بود یا ۔۔۔ بہر تہدیدست و عدل کبریا
این از آن لطف بہاریات بود ۔۔۔ یا ز پائیزی پر آفات بود
گفت این از بہر تسکین غم ست ۔۔۔ کز مصیبت بر نژاد آدم ست
گر بر آن آتش بماندی آدمی ۔۔۔ بس خرابی در فتادی و کمی
اینجہان ویران شدی اندر زمان ۔۔۔ حرصہا بیرون شدی از مرد مان
أستن این عالم ، ایجان ! غفلت ست ۔۔۔ ہوشیاری اینجہان را آفت ست
ہوشیاری ز آن جہانست و چو آن ۔۔۔ غالب آید ، پست گردد این جہان
ہوشیاری آفتاب و حرص یخ ۔۔۔ ہوشیاری آب این عالم وسخ
ز آن جہان اندک ترشح می رسد ۔۔۔ تا نغیزد در جہان حرص و حسد
گر ترشح بیشتر گردد ز غیب ۔۔۔ نی ہنر ماند درین عالم نہ عیب[۲۴]

دفتر اول ہی میں ''نالیدن ستون حنانہ از فراق پیغمبر علیہ السلام'' کے عنوان کے تحت حضور اکرم اور ایک ستون کے درمیان مکالمے کا واقعہ بیان ہوا

۲۴۔ ایضاً ، ص ۵۵ ، ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۴۵ ۔

ہے ۔ اس سے پیشتر مولانا نے یہ نظریہ پیش کیا ہے کہ سنگ و چوب بھی فہم رکھتے ہیں ، اور مذکورہ ستون کا واقعہ اُنھوں نے اسی ضمن یا اس نظریہ کی تصدیق میں پیش کیا ہے ۔ کہتے ہیں کہ ایک موقع پر اصحابِ رسول اکرمؐ نے حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں یہ عرض کیا کہ اب چونکہ مسجد میں لوگ زیادہ جمع ہونے لگے ہیں اس لیے حضورؐ کا چہرہ مبارک نظر نہیں آتا ۔ صحابہؓ کی اس گزارش پر اس ستون کے قریب جس کے سہارے حضورؐ بیٹھ کر وعظ فرمایا کرتے تھے ، منبر بنا دیا گیا تاکہ فخرِ موجوداتؐ اس پر تشریف فرما ہو کر وعظ فرمایا کریں اور حاضرین آوازِ مبارک سننے کے ساتھ چہرہ مبارک بھی دیکھ سکیں ۔ اس طرح اس ستون سے آپ کا تعلق کٹ گیا جس کا ستون نے بہت زیادہ اثر لیا ۔ چنانچہ وہ حضور صلعم کے فراق میں انسانوں کی طرح کچھ اس طور نالہ و زاری کرنے لگا کہ ہر پیر و جوان کو اس کی خبر ہو گئی ۔ صحابہ کرامؓ بڑے حیران ہوئے کہ یہ ستون کس لیے نالہ کناں ہے ۔ حضور ختمی مرتبتؐ نے لکڑی کے اس ستون سے اس نالہ کا سبب پوچھا ۔ وہ بولا کہ آپؐ کے فراق میں میری جان خون ہو گئی ہے ۔ آپؐ کے ہجر میں جب میری جان جل چکی ہے تو ، اے جانِ جہانؐ ، آپؐ ہی فرمائیں میں کیوں نالہ وزاری نہ کروں ؟ میں حضور کی مسند تھا ۔ حضور نے مجھ سے قطع تعلق کر کے منبر کو مسند بنا لیا ۔ اس پر نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اے اچھے درخت ! اے کہ تیرے بھید کے ساتھ بخت ہمراز ہوا ، اگر تو چاہے تو قدرت تجھے ایسا نخل بنا دے جس کا پھل اہلِ شرق و غرب کھائیں ، یا تجھے عالمِ بالا میں سرو بنا دے تاکہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے سر سبز رہے ۔ ستون نے جواب میں زندگیِ جاوید کی خواہش کا اظہار کیا جس پر اسے زمین میں دفنا دیا گیا تاکہ قیامت کے روز اسے بھی انسانوں کی مانند اُٹھایا جائے ۔

ستون کے اس اظہارِ خواہش پر مولانا فرماتے ہیں کہ غفلت کے مارو ، لکڑی سے تو کم تر نہ رہو ۔ پھر ستون کے دفن کیے جانے پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں کہ یہ اس لیے ہے تاکہ تم یہ جان لو کہ جس کسی کو اللہ تعالیٰ طلب فرماتا ہے اسے دنیاوی دھندوں سے کوئی سروکار نہیں رہتا ۔ دوسرے لفظوں میں جس کسی کو حق تعالیٰ سے تعلق و وابستگی ہو جائے اسے وہاں بار حاصل ہوتا ہے اور دنیاوی معاملات میں وہ گویا بے کار ہو کر رہ جاتا ہے :

استن حنانہ[۲۵] از ہجر رسولؐ — نالہ می زد ہمچو ارباب عقول
درمیان مجلس وعظ آنچنان — کز وی آگہ گشت ہم پیر و جوان
در تحیر ماندہ اصحاب رسولؐ — کز چہ می نالد ستون با عرض و طول
گفت پیغمبرؐ چہ خواہی ای ستون — گفت جانم از فراقتؐ گشت خون
از فراق توؐ مرا چون سوخت جان — چون ننالم بی تو ای جان جہان
مسندت من بودم از من تاختی — بر سر منبر توؐ مسند ساختی
پس رسولش گفت کای نیکو درخت — ای شدہ با سر تو ہمراز بخت
گر ہمی خواہی ترا نخلی کنند — شرقی و غربی ز میوۂ تو چنند
یا در آن عالم حقت سروی کند — تا تر و تازہ بمانی تا ابد
گفت ''آن خواہم کہ دائم شد بقاش'' — بشنو ای غافل کم از چوبی مباش
آن ستون را دفن کرد اندر زمین — تاچو مردم حشر گردد یوم دین
تابدانی ہرکرا یزدان بخواند — از ہمہ کار جہان بیکار ماند
ہر کرا باشد ز یزدان کاروبار — یافت بار آنجا و بیرون شد ز کار[۲۶]

اس بحث کے بعد مولانا استدلالیوں اور منکرین معجزہ کو ہدف تنقید بناتے ہوئے نبی کریمؐ کے ایک اور معجزے کا ذکر کرتے ہیں ۔ ایک موقع پر ابوجہل کے ہاتھ میں کچھ سنگریزے تھے ۔ وہ حضور سے مخاطب ہوا کہ اگر آپ رسول خدا ہیں اور راز آسمان سے بھی واقف ہیں تو بتائیں میری مٹھی میں کیا ہے ۔ حضور نے فرمایا ، کیا میں اس کے متعلق کچھ بتاؤں یا خود وہ چیز اپنی حقیقت بیان کرے ؟ ابوجہل نے دوسری بات کی خواہش ظاہر کی ۔ حضور سرور کائنات نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ ، اس سے بھی زیادہ پر قادر ہے ۔ پھر فرمایا کہ تیرے ہاتھوں میں چھ سنگریزے ہیں اور ہر سنگریزہ تجھے تسبیح کرتا سنائی دے گا ۔ چنانچہ فوراً ہی ہر سنگریزہ کلمہ پڑھتا سنائی دینے لگا ۔ ابوجہل نے جو یہ صورت حال دیکھی تو طیش میں آ کر سنگریزوں کو زمین پر دے پٹخا اور بولا کہ آپ (نعوذ باللہ) ایک بے مثال ساحر بلکہ ساحروں کے سردار ہیں ، اور پھر وہ اسی حالت غیظ میں گھر کو ہو لیا ۔

۲۵- حنانہ : نالہ وزاری کرنے والا (''غیاث اللغات'' ، ص ۲۳۵) ۔
۲۶- ''کتاب مثنوی'' ، ص ۵۶ ۔

مولانا اس کے اس انکار و طیش کو اس کی بدبختی قرار دیتے اور اس کے کنوئیں میں گرنے اور کفر و زندقہ کی طرف تیزی سے بڑھنے سے تعبیر کرتے ہیں - پھر فرماتے ہیں کہ اس کے سر پر خاک ! وہ کور و لعین تھا اور اس کی آنکھیں ''خاک بیں'' ابلیس تھیں :

سنگہا اندر کف بوجہل بود — گفت ''ای احمد بگو این چیست ، زود
گر رسولی چیست در مشتم نہان — چون خبر داری ز راز آسمان''
گفت ''چون خواہی بگویم کان چہاست — یا بگویند آنکہ ما حقیم و راست''
گفت بوجہل ''آن دوم نادر ترست'' — گفت ''حق ، آری ، ازین قادر ترست''
گفت ''شش پارہ حجر در دست تست — بشنو از ہر یک تو تسبیحی درست''
از میان مشت او ہر پارہ سنگ — در شہادت گفتن آمد بی درنگ
''لا الٰہ'' گفت و ''الا اللہ'' گفت — گوہر ''احمد رسول اللہ'' سفت
چون شنید از سنگہا بوجہل این — زد ز خشم آن سنگہا را بر زمین
گفت ''نبود مثل تو ساحر دگر — ساحران را سر توئی و تاج سر''
چون بدید آن معجزہ بوجہل ، تفت — گشت در خشم و بسوی خانہ رفت
رہ گرفت و رفت از پیش رسولؐ — اوفتاد اندر چہ آن زشت جہول
معجزہ او دید و شد بد بخت زفت — سوی کفر و زندقہ سر تیز رفت
خاک بر فرقش کہ بُد کور و لعین — چشم او ابلیس آمد خاک بین[۲۷]

اس بیان میں کہ ہر کوئی اپنی فکر و ہمت کے مطابق سوچتا ہے[۲۸] حضور اکرم کا ذکرِ خیر چند ایک مرتبہ آیا ہے - ایک موقع پر ابوجہل نے سرکارِ دو عالم کو دیکھا تو کہا کہ بنی ہاشم سے (نعوذ باللہ) ایک بری صورت وجود میں آئی ہے - حضورؐ نے فرمایا تو نے ٹھیک ہی کیا ہے - اس کے برعکس حضرت صدیق اکبرؓ نے حضور کو دیکھا تو کہا کہ آپ تو ایسے آفتاب ہیں جو شرق و غرب کی حدود سے بے نیاز ہے - اس پر رسول اللہ نے فرمایا کہ تم نے بھی ، کہ اس دنیائے دنی سے بے نیاز ہو ، ٹھیک کہا ہے - صحابہ کرامؓ نے حیران

۲۷- ایضاً ، ص ۵۷ -
۲۸- اس حصے کا عنوان ہے : ''جنبیدن ہر کسی از آنجاست کہ وی است ، ہر کسی از چنبرۂ وجود خود بیند ۔ ۔ ۔ الخ'' -

ہو کر عرض کیا کہ یا حبیب اللہ ! آپ نے دونوں کو ، کہ ایک دوسرے کی ضد ہیں ، راست گو فرمایا ہے ، اس کا سبب کیا ہے ؟ حضورؐ نے فرمایا : میں صیقل شدہ آئینہ ہوں ، سفید فام اور سیاہ فام کو مجھ میں وہی کچھ نظر آئے گا جو کچھ وہ خود ہے ۔ اس پر مولانا کہتے ہیں کہ جس کے روبرو آئینہ ہو وہ اپنے زشت و خوب کو اس میں دیکھ لیتا ہے :

دید احمد را ابوجہل و بگفت — زشت نقشی کز بنی ہاشم شگفت
گفت احمد مر ورا کہ راستی — راست گفتی گرچہ کار افزاستی
دید صدیقش بگفت ای آفتاب — نی ز شرق نی ز غربی خوش بتاب
گفت احمد راست گفتی ای عزیز — ای رہیدہ تو ز دنیای نچیز
حاضران گفتند کای صدر الوری — راستگو گفتی دو ضد گو را چرا
گفت من آئینہ ام مصقول دست — ترک و ہندو در من آن بیند کہ ہست
ہر کہ را آئینہ باشد پیش رو — زشت و خوب خویش را بیند درو۲۹

حضور نبی کریم کی اس حدیث کی مختصر تفسیر میں کہ عورتیں عقل مندوں پر غالب رہتی ہیں لیکن جاہل آدمیوں کو عورتوں پر غلبہ حاصل ہوتا ہے ، مولانا نے جہلا کو تند و خیرہ مزاج اور جذباتِ ترحم و محبت و رقت سے عاری قرار دیا ہے ۔ ان کے مطابق حیوانیت ان جاہلوں کی نہاد و فطرت میں ہوتی ہے اور اس کا خاصہ خشم و شہوت ہے جب کہ مہر و محبت و رقت انسانی وصف ہے ، اور عاقل انسان اس وصف سے متصف ہونے کے سبب عورت کے ساتھ ، جو ماں بھی ہے ، بہن بھی اور بیوی بھی ہے ، اس کے ان مختلف درجات کے مطابق ، لطف و کرم ، مہر و محبت اور مروت سے پیش آتا ہے ۔ بالخصوص وہ بیوی کے سامنے ، جس کے کندھوں پر بچوں کی پرورش اور گھر کے دیگر کٹھن کاموں کا بوجھ ہوتا ہے ، کسی قسم کی برتری یا تفوق کا مظاہرہ کرنے سے اجتناب برتتا ہے ، جب کہ جاہل انسان لڑائی مار کٹائی اور اسی قسم کی تکلیف دہ حرکات کے ذریعے خود کو عورت پر غالب قرار دینے کی کوشش کرتا ہے ۔

مولانا نے عورت کے محبوب ہونے کی وجہ یہ بتائی ہے کہ وہ پرتوِ حق

۲۹- ایضاً ، ص ۶۳ ۔

ہونے کے ناتے خلاق کی صفت کی مظہر ہے ، یعنی وہ مخلوق ہوتے ہوئے خالقِ مجازی بھی ہے ، اور وہ اس لحاظ سے کہ وہ بچے کو جنم دیتی ہے اور اس کا یہی عمل خدا کی خلاق کے بعد سب سے بڑا عملِ خلاق ہے :

گفت پیغمبر کہ زن بر عاقلان | غالب آید سخت بر صاحبدلان
باز بر زن جاہلان غالب شوند | ز آنکہ ایشان تند و بس خیرہ روند
کم بود شانِ رقت و لطف و وداد | ز آن کہ حیوانیست غالب بر نہاد
مہر و رقت وصف انسانی بود | خشم و شہوت وصف حیوانی بود
پرتوِ حقست و آن معشوق نیست | خالقست آن گوئیا مخلوق نیست[۳۰]

اسی دفتر میں ایک بدو کی داستان میں ، جو جنگل سے بارش کا پانی ایک برتن میں ڈال کر ہدیے کے طور پر خلیفۂ وقت کے پاس اس خیال سے لے گیا کہ وہاں پانی کا قحط ہو گا ، مولانا نے حضور سرورِ کائنات سے متعلق دو تلمیحات کا ذکر کیا ہے ۔ اس داستان میں یہ بیان کرتے ہوئے کہ لطف و عنایتِ ربانی سے انسان کس مقامِ اعلیٰ تک پہنچ جاتا ہے ، مولانا نے محرکِ عمل اور نتیجۂ عمل میں تفاوت پر بحث کی ہے جس کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ انسان کسی خاص مقصد کے حصول کے لیے کوشش کرتا ہے لیکن چونکہ انسانی کوشش کا نتیجہ اللہ کے ہاتھ میں ہے ، اس لیے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ اس کی یہ کوشش یا عمل اسے ایسی راہ پر ڈال دیتا ہے جو اس کو اس خاص مقصد سے ہٹ کر بلند تر اور ارفع تر مقصود کی طرف لے جاتی ہے ۔ دوسرے لفظوں میں ''کوشش اور نتیجہ اپنی ہیئت ، ماہیت اور قیمت میں مساوی نہیں ہوتے'' ۔ اس ضمن میں رومی نے کئی ایک مثالیں دی ہیں جن میں سے دو کا تعلق حضرت عباسؓ اور حضرت عمرؓ کے مشہور واقعات سے ہے ۔

حضور اکرمؐ کے چچا حضرت عباسؓ اپنے کفر کے زمانے میں غزوۂ مکہ میں اس لیے شریک ہوئے تھے کہ ، خاکم بدہن ، حضور اکرم اور دینِ اسلام کو ختم کر ڈالیں ، لیکن نتیجہ اس کے برعکس نکلا اور وہ نہ صرف خود بلکہ ان کے لڑکے بھی دین کے لیے قوت و استحکام کا سبب بن گئے ۔ اسی طرح

۳۰۔ ایضاً ، ص ۶۴ ۔ نیز خلیفہ عبدالحکیم ، کتاب مذکور ، ص ۱۰۲ ببعد ۔

حضرت عمرؓ شمشیر بدست گھر سے تو اس ارادے سے نکلے کہ وہ سرور کائنات کا ، نعوذ باللہ ، خاتمہ کر کے ہی واپس آئیں گے ، مگر جب وہ واپس لوٹے تو خود ان کے کفر و الحاد کا خاتمہ ہو چکا تھا ، اور پھر ایسا زمانہ بھی آیا کہ وہ امیر المومنینؓ اور اہلِ دین کے مقتدا و پیشوا بن گئے :

آمدہ عباس حرب از بہر کین	بہر قمع احمد و استیز دین
گشت دین را تا قیامت پشت و رو	در خلافت او و فرزندان او
آمدہ عمرؓ بحرب مصطفیٰؐ	تیغ در کف ، بستہ بس میثاقہا
گشتہ اندر شرع امیر المومنین	پیشوا و مقتدای اہلِ دین[۳۱]

دفتر اول ہی میں حضرت ختمی مرتبت کا ذکرِ خیر حضرت علیؓ کے نام حضورؐ کی وصیت کے ضمن میں آیا ہے ۔ حضور اکرم نے فرمایا کہ ہر کوئی کسی نہ کسی نیکی و طاعت سے خدا کا قرب ڈھونڈتا ہے ، تم (علیؓ) کسی عاقل اور بندۂ خاص کی صحبت کا تقرب ڈھونڈو تاکہ درجات و تقرب میں تم ان سب پر سبقت لے جاؤ ، دنیا میں لوگوں کے نزدیک اور آخرت میں اللہ کے نزدیک ۔

مولانا نے اس وصیت کا ذکر کرکے اپنے طرزِ خاص میں اس کی تفسیر بیان کی ہے ۔ لکھتے ہیں کہ پیغمبر صلعم نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تمؓ شیرِ حق اور بڑے دلیر پہلوان ہو ، لیکن اپنی شیری و دلیری پر کچھ زیادہ ہی اعتماد نہ کرو اور نخلِ امید کے سائے میں رہو ۔ اگر ہر شخص خدائے بزرگ و برتر کے قرب کی خاطر طاعت و بندگی اختیار کرتا ہے تو تم ان لوگوں کے برعکس نیکی و کمال کے بجائے اپنے عقل و راز کے وسیلے سے تقرب ڈھونڈو ، ایسے عاقل (بندۂ خاصِ خدا) کے سائے میں رہو جسے کوئی ناقل (دنیا دار ، فریب‌کار) گمراہ نہیں کر سکتا ۔ پھر ایسے بندۂ خاص کی وساطت سے قربت خداوندی کے متلاشی رہو اور اس کی طاعت سے ہرگز رو گردانی نہ کرو ، اس لیے کہ ایسا مردِ راہ داں ہر خار کو گلشن بنا دیتا اور ہر اندھے کی آنکھوں کو روشن کر دیتا ہے ۔ مولانا کے مطابق ایسے مردِ خدا کا سایہ زمین پر کوہ قاف کی مانند ہے ۔ خدا کا

۳۱۔ "کتابِ مثنوی" ، ص ۴۷ ۔

یہ خاص بندہ طالبانِ حق کی دست گیری کرتے ہوئے انھیں پیش گاہ حق تک لے جاتا ہے - ایسے مرشد و بندۂ خاصِ خدا کی تعریف و ثنا جتنی بھی اور جب تک بھی کی جائے کم ہے - رومی اس کی ذات کو آفتابِ روح قرار دیتے ہیں جس کے نور سے انس و ملک زندہ ہیں اور یہ آفتاب انسانوں ہی میں پوشیدہ ہے - بس ذرا اسے پرکھنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے -

اس کے بعد پھر خطاب بہ حضرت علیؓ یہ کہا گیا ہے کہ تمام دیگر طاعات کی نسبت اللہ کے سایۂ خاص (مردِ خدا) کو اختیار کرو تا کہ دوسرے لوگوں پر تمھیں سبقت حاصل ہو - ایسا مرشد جو حضرت خضر[۴] کی مانند ہے اگر میسر آ جائے تو حضرت موسیٰ کی طرح اس کے حکم پر چلو اور اس کے ہر کام پر صبر کا مظاہرہ کرو - پھر مولانا نے ایسے مرشد کے ہاتھ کو قرآن کے حوالے سے دستِ حق کہا اور حضرت موسیٰ[۴] اور حضرت خضر[۴] سے متعلق قتلِ طفل اور کشتی وغیرہ کا قصہ بیان کیا ہے :

گفت پیغمبر علیؓ را کای علیؓ — شیرِ حقی ، پہلوانی ، پُر دلی
لیک بر شیری مکن ہم اعتمید — اندر آ در سایۂ نخلِ اُمید
ہر کسی گر طاعتی پیش آورند — بہر قربِ حضرتِ بیچون و چند
تو تقرب جو بعقل و سرِ خویش — نی چو ایشان بر کمال و برِّ خویش
اندر آ در سایۂ آن عاقلی — کش نتاند برد از رہ ناقلی
پس تقرب جُو بدو سوی الٰہ — سر مپیچ از طاعت او ہیچگاہ
زآنکہ او ہر خار را گلشن کند — دیدۂ ہر کور را روشن کند
ظل او اندر زمین چون کوہ قاف — روح او سیمرغ بس عالی طواف
دستگیر و بندۂ خاصِ الٰہ — طالبان را می برد تا پیشگاہ
گر بگویم تا قیامت نعت او — ہیچ آنرا غایت و مقطع مجو
آفتاب روح ، نی آنِ فلک — کہ ز نورش زندہ اند انس و ملک
در بشر رو پوش گشتست آفتاب — فہم کن واللہ اعلم بالصواب
یا علیؓ از جملہ طاعات راہ — بر گزین تو سایۂ خاصِ الٰہ
ہر کسی در طاعتی بگریختند — خویشتن را مخلصی انگیختند
تو برو در سایۂ عاقل گریز — تا رہی ز آن دشمنِ پنہان ستیز

از ہمہ طاعات اینت لایق است | سبق یابی بر ہر آنکو سابق است
چون گرفتی پیر ، ہین تسلیم شو | ہمچو موسیٰ[۴] زیر حکم خضر رو
صبر کن بر کار خضر ای بی نفاق | تا نگوید خضر رو ھذا فراق[۳۲]

جماعت کا وجود اور باہمی مشورہ باعثِ رحمت ہے ۔ اس ذیل میں مولانا نے گرگ و روباہ اور شیر کے مل کر شکار کے لیے جانے کی حکایت بیان کی ہے اور اس حکایت کے دوران وہ اس قرآنی آیت کا حوالہ لاتے ہیں جس میں نبی کریم[ص] سے دوسروں سے مشورہ کرنے کو کہا گیا ہے ۔ اس سلسلے میں ''تشبیہات رومی'' سے اقتباس ملاحظہ ہو : ''اللہ تعالیٰ آنحضرت[ص] کو حکم دیتا ہے کہ اصحاب سے مشورہ کیا کرو ۔ ۔ ۔ ۔ اور دوسری جگہ مومنوں کی یہ صفت بتائی ہے کہ وہ معاملات کو باہمی مشورے سے طے کرتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ پیغمبر صلعم جن کو خدا نے غیر معمولی عقل و بصیرت عطا کی تھی ان کو دوسروں کے مشورے سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے ؟ اس کا ایک جواب تو یہ ہے کہ پیغمبر[ص] کو روحانی اور دینی امور میں تو بہرحال دوسروں پر تفوق حاصل ہوتا ہے ، لیکن تمام امور دینی امور نہیں ہوتے ۔ یہ ہو سکتا ہے کہ غیر دینی امور میں کسی دوسرے تجربہ کار انسان کو کوئی معقول بات سوجھ جائے ۔ یہ امور ایسے ہوتے ہیں جن کے متعلق سعدی نے کہا ہے :

گاہ باشد کہ کودک نادان | بہ غلط برھدف زند تیری

اور کبھی ایسا ہوتا ہے کہ پیر دانش مند کو بھی تدبیر نہیں سوجھتی ۔ جنگ میں کئی مرتبہ رسول کریم نے دوسروں کے مشورے کو قبول کیا حالانکہ بادی الامر میں ان کی یہ رائے نہ تھی ۔ ایک حدیث میں ہے کہ رسولِ کریم[ص] نے فرمایا کہ دنیاوی امور میں ہو سکتا ہے کہ تمہاری سمجھ اور تجربہ مجھ سے زیادہ ہو ۔ میری پیروی فقط امورِ دینیہ میں ہے ۔ دوسری بات یہ ہے کہ رسول[ص]

۳۲- سورۃ الکھف ، آیہ ۷۸ : ان بزرگ (خضر) نے کہا کہ یہ وقت ہماری اور آپ (موسیٰ) کی علیحدگی کا ہے (جیسا کہ خود آپ نے شرط کی تھی) میں ان چیزوں کی حقیقت بتلائے دیتا ہوں جن پر آپ سے صبر نہ ہو سکا ۔ ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۷۸ ۔

کی اصلی حیثیت معلم کی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ تلقینِ مشورت سے اپنی اُمت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ کوئی ایک شخص عقلِ کل نہیں ہوتا ، اس لیے مشورے سے ہمیشہ انسانوں کو فائدہ پہنچتا ہے ۔ ۔ ۔ ۔ اسلام نے ایک جمہوری نظام کی بنا ڈالی تھی جس میں کسی شخص کو مطلق العنان ، بادشاہ یا آمر ہونے کا حق حاصل نہ تھا ۔ مولانا فرماتے ہیں کہ لوگوں کو اس پر تعجب ہوتا ہے کہ پیغمبرؐ کو مشورے سے کیا حاصل ؟ کہاں پیمبرؐ کی بصیرت اور کہاں مشیروں کا محدود فہم ؟ لیکن اس نکتے کو فراموش نہ کرنا چاہیے کہ مشورہ طلبی سے کسی بڑے آدمی کی تحقیر نہیں ہوتی ۔ ۔ ۔ ۔'' ۳۳ اس نکتے کو مولانا نے ایک سادہ اور دل چسپ مثال سے واضح کیا ہے ۔ ان کے مطابق سونا تولنے کے لیے جو کا دانہ یا رتی استعمال کرتے ہیں ، یعنی دو پلڑوں میں یہ دو چیزیں رکھی جاتی ہیں ، لیکن دونوں کی قیمتوں میں جو فرق ہے وہ اسی طرح قائم رہتا ہے ، اور اس سے نہ تو سونے کی تذلیل ہوتی ہے اور نہ جو وغیرہ کی تکریم ، اور یہی کیفیت عام اور خاص انسانوں کے باہمی مشورے کی ہے :

شیر و گرگ و روبہی بہرِ شکار ۔۔۔ رفتہ بودند از طلب در کوہسار
تا بہ پشت ہمدگر بر صیدہا ۔۔۔ سخت بر بندند بار و قیدہا
ہر سہ باہم اندر آن صحرای ژرف ۔۔۔ صیدہا گیرند بسیار و شگرف
گرچہ ز ایشان شیرِ نر را ننگ بود ۔۔۔ لیک کرد اکرام و ہمراہی نمود
اینچنین شہ را ز لشکر زحمت است ۔۔۔ لیک ہمرہ شد جماعت رحمت است

* * *

امرِ شاوِرہم ۳۴ پیمبرؐ را رسید ۔۔۔ گرچہ رایش را نہ بُد رائی فرید
در ترازو جو رفیقِ زر شدہ است ۔۔۔ نی از آن کہ جو چو زر جوہر شدہ است
روح قالب را کنون ہمرہ شدہ است ۔۔۔ مدتی سگ حارسِ درگہ شدہ است ۳۵

۳۳۔ خلیفہ عبدالحکیم ، کتاب مذکور ، ص ۱۳۲ - ۱۳۳ ۔
۳۴۔ سورۂ آلِ عمران : آپ ان سے مشورہ کیجیے اور جب آپ ارادہ کر لیں تو اللہ تعالیٰ پر اعتماد و توکل کریں ۔
۳۵۔ ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۸۰ ، ''مثنوی شریف'' ، ص ۷۸ ۔

ایک جگہ کاتبِ وحی کے مرتد ہونے کا واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں سرکار دو عالمؐ کا ذکر کئی مرتبہ نبی ، رسول ، رسولِ مستنیر اور مصطفیٰ جیسے الفاظ و القاب کے ساتھ آیا ہے ۔

مولانا لکھتے ہیں کہ حضرت عثمانؓ سے قبل ایک نساخ تھا جو وحی لکھنے میں خاصی محنت سے کام لیتا ۔ جب بھی نبی کریمؐ اسے وحی سناتے وہ فوراً کاغذ پر لکھ لیتا ۔ اس طرح وہ پرتوِ وحی کی چمک سے مستفیض اور اس کا سینہ حکمت سے معمور ہوتا رہا ۔ رسولِ مقبولؐ عین وہی حکمت ارشاد فرماتے ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بیہودہ انسان گمراہ ہو گیا اور یہ سمجھ بیٹھا کہ جو کچھ حضور فرماتے ہیں وہ حقیقت میں اس کے ضمیر میں مضمر ہے ۔ آخر رسول کریمؐ کو اس کی خبر ہو گئی ، جس کے بعد اس شخص پر قہرِ خدا نازل ہوا ۔ اس نزولِ قہر کے سبب اس کا سینہ حکمت و دانش سے خالی ہو گیا اور وہ عاجز ہو کر رہ گیا ۔ اس طرح وہ نساخی سے بھی جاتا رہا اور دین سے بھی ۔ وہ اپنے کینہ کے باعث مصطفیٰ صلعم اور دین مبین کا دشمن بن گیا ۔ حضور نے اس سے فرمایا کہ اے کینہ ور کافر ! اگر اس نور (وحی) کا تعلق تجھ سے تھا تو تو سیاہ رو کیوں ہوا ؟ اگر تو چشمۂ الٰہی ہوتا تو اس قسم کے گندے پانی کا حامل نہ ہوتا ۔ ۔ ۔ ۔ ذلت و رسوائی سے بچنے کے لیے اس نے منہ بند رکھا ۔ اس بنا پر وہ اندر ہی اندر جلتا کڑھتا رہا لیکن توبہ کی طرف مائل نہ ہوا ۔ وہ آہیں بھرتا رہا مگر اس کی کیفیت کچھ اس طرح کی تھی کہ جیسے تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا گیا ہو اور اب یہ آہیں بے سود اور بے کار ہوں ۔ اس کے بعد رومی نے کبر و کفر کو ہدفِ تذمیم بنایا ہے :

پیش از عثمان یکی نساخ بود	کو بہ نسخ وحی جدی مینمود
چون نبیؐ از وحی فرمودی سبق	او ہمان را وا نوشتی در ورق
پرتو آن وحی بر وی تافتی	او درون خویش حکمت یافتی
عین آن حکمت بفرمودی رسول	زینقدر گمراہ شد آن بوالفضول
کانچہ میگوید رسول مستنیر	مر مرا ہست آن حقیقت در ضمیر
پرتو اندیشہ اش زد بر رسول	قہر حق آورد بر جانش نزول
پرتو او ناگہش در دل بتافت	در درون خویشتن حرفی لیافت

ہم ز نساخی بر آمد ہم ز دین | شد عدوِ مصطفیٰؐ و دین بکین
مصطفیٰؐ فرمود کای گبرِ عنود | چون سیہ گشتی اگر نور از تو بود
گر تو ینبوعِ الٰہی بودہ ای | اینچنین آب سیہ نگشودہ ای
تا کہ ناموسش بہ پیش این و آن | نشکند بر بست این او را دہان
اندرون می سوختش ہم زین سبب | او نیارد توبہ کردن ای عجب
آہ میکرد و نبودش آہ سود | چون در آمد تیغ و سر را در ربود[۳۶]

پھر اس ضمن میں ہاروت و ماروت کا قصہ بیان کرکے غفلت و کبر و ریا کاری سے بچنے کی تلقین کی اور کاتبِ وحی رسول کے مذکورہ واقعہ کی طرف اشارہ کیا ہے کہ کس طرح اس نے اپنے اندر حکمت و نور اصول دیکھا اور خود کو مرغانِ خدا کا ہم صفیر جانا ، حالانکہ صفیر اور ضدا میں فرق ہے ۔ یہاں مولانا نے سیدھی سادی لیکن دل نشین تمثیل سے اس موضوع کی توضیح کی ہے ۔ فرماتے ہیں اگر انسان کسی پرندے کی آواز نکالنے میں ماہر ہو جائے تو بھی اس پرندے کے ضمیر سے آگاہ نہیں ہو سکتا ، مثلاً بلبل کی سی آواز نکال لینے کے باوجود یہ نہیں جانا جا سکتا کہ بلبل گل سے کیا کہتی ہے (اس تمثیل میں خدا کے نیک بندوں اور ریا کاروں میں فرق بیان کیا گیا ہے) :

عصمتی کہ مر شما را در تن است | آن ز عکسِ عصمت و حفظ من است
آن ز من بینید نز خود ہین و ہین | تا نپرید بر شما دیو لعین
آنچنان کان کاتبِ وحی رسول | دید در خود حکمت و نور اصول
خویش را ہم لحنِ مرغانِ خدا | میشمرد آن بد صفیری چون صدا
لحنِ مرغان را اگر واصف شوی | بر ضمیرِ مرغ کی واقف شوی
گر بیاموزی صفیرِ بلبلی | تو چہ دانی کو چہ گوید با گلی[۳۷]

اور اس کے ساتھ ہی ایک بہرے کی بیمار ہمسایہ کی عیادت کو جانے کا قصہ بیان کر کے احمق اور ریا کار مقلد کی عیادت کو ہدفِ تنقید بنایا اور اس سلسلے میں حضور اکرمؐ کی ایک حدیث کا ذکر کیا ہے ۔ ایک روز نبی کریمؐ

۳۶- ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، ص ۸۳ -
۳۷- ایضاً ، ص ۸۶ ، ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۸۸ -

مسجد کے ایک گوشے میں تشریف فرما تھے ۔ اسی اثنا میں ایک شخص مسجد میں داخل ہو کر نماز پڑھنے لگا ۔ حضورؐ اسے دیکھتے رہے ۔ وہ نماز سے فارغ ہو کر حضورؐ کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوا ۔ حضورؐ نے فرمایا ، اٹھو اور نماز پڑھو ، تم نے نماز ادا نہیں کی ۔ وہ اٹھا اور دوبارہ نماز پڑھ کر حاضر خدمت ہوا ۔ حضورؐ نے پھر وہی کچھ فرمایا ۔ آخر اس نے عرض کیا ، حضورؐ آپ مجھے نماز کی تعلیم دیں ۔ چنانچہ رسول پاکؐ نے اسے نماز کی شرائط بتائیں ۔[۳۸]

مولانا ریاکاروں ، مقلدوں اور نقالوں کے ہاتھوں دین کو پہنچنے والے نقصان پر اظہارِ افسوس کرتے ہیں ۔ ان کے نزدیک بے عقل دین داروں کی عبادت اس بہرے آدمی کی طرح ہے جو ایک بیمار ہمسایے کی عیادت کو ، گھر سے چند سوال اور ان کے متوقع جوابات سوچ کر گیا ، لیکن وہاں معاملہ اس کے برعکس ہوا ۔ اس کی غلط عیادت سے مریض کو ذہنی کوفت ہوئی ، لیکن بہرا اپنے خیال میں کامیاب عیادت کر کے گھر لوٹا ۔ مولانا کے مطابق جاہل اور بے عقل دین داروں کی عبادت بھی بہرے کی عیادت کی طرح برعکس نتائج کی حامل بنتی ہے ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ خدا ان کی عبادت سے خوش و راضی ہو رہا ہے لیکن حقیقت میں خدا ان سے زیادہ ناخوش ہوتا ہے :

بس کسان کایشان عبادتها کنند تا برضوان و ثواب آن زنند
خود حقیقت معصیت باشد خفی بس کدر کانرا تو پنداری صفی
همچو آن کر کو همی پنداشت مت که نکوئی کرد و آن خود بد بُد است
او نشسته خوش که خدمت کرده ام حق همسایه بجا آورده ام
بهر خود او آتشی افروخته است در دل رنجور و خود را سوخته است
فاتقوا النار التی اوقدتم انکم فی المعصیته از ودتم[۳۹]
گفت پیغمبر بیک صاحب ریا صل انک لم تصل یا فتیٰ
از برای چارهٔ این خوف ها آمد اندر هر نمازی اهدنا

۳۸۔ ''مثنوی شریف'' ، دفتر اول ، حاشیہ ، ص ۸۷ ۔

۳۹۔ اشارہ ہے سورۂ بقرہ کی اس آیت کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ اس آگ سے بچو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہیں اور جو کفار کے لیے تیار کی گئی ہے ۔

با نماز ضالّین و اہل ریا — کاین نمازم را میامیز ای خدا
صحبت ده ساله باطل شد بدین — و ز فیامی که بکرد آن کر گزین[۴۰]

حضور نبی کریم اور حضرت زید رض کے درمیان گفتگو (دفتر اول) کے ذیل میں رسول اکرم ص کا کسی قدر تفصیل سے ذکر آیا ہے ۔ اس حصے میں زمان و مکان کی بحث آ گئی ہے ۔

ایک صبح پیغمبر خدا صلعم نے حضرت زید رض بن حارث سے فرمایا کہ تم کس حال میں ہو اور تمھاری صبح کس طرح ہوئی ؟ انھوں نے جواب دیا کہ اس حال میں کہ میں عبدِ مومن تھا ۔ اس پر حضور ص نے فرمایا کہ تمھارے باغِ ایمان میں اگر کوئی پھول کھلا ہو تو بتاؤ ۔ وہ رض بولے : میں مدتوں پیاسا رہا ہوں اور راتوں کو عشق و سوز کے باعث سویا نہیں ۔ نتیجۃً میں روز و شب (زمان) کے چکر سے اس طرح نکل گیا جس طرح نیزے کی انی ڈھال میں سے گذر جاتی ہے ، یعنی میں زمانے سے الگ رہا ہوں ، اس لیے کہ اس روز و شب کے اُس طرف ایک ہی ملت یعنی وحدت ہے جہاں لاکھوں برس اور ایک ساعت میں کوئی فرق نہیں ، دوسرے لفظوں میں وہاں تعدد و تعین نہیں ۔ اس جگہ ازل اور ابد جو "لا ابتدا لہ" اور "لا انتہا لہ" سے متصف ہیں ، ایک ہی سلکِ وحدت میں منسلک ہیں ، اور عقل و دانش وہاں کسی گم شدہ کو تلاش کرنے سے عاجز ہے ، مطلب یہ کہ جو کیفیات ازل میں تھیں وہ بھی وہاں موجود ہیں اور جو ابد تک ہوں گی وہ بھی حاضر ۔

نبی کریم ص نے فرمایا : تم جو یہ راہ طے کر آئے تو وہاں سے کوئی تحفہ بھی لائے ہو ؟ اگر ایسا ہے تو وہ تحفہ اس دنیا والوں کی سمجھ بوجھ اور عقل و فہم کے مطابق و موافق ہونا چاہیے ۔ حضرت زید رض نے جواب دیا کہ جس طرح عام لوگ آسمان کو دیکھتے ہیں میں اسی طرح عرش اور اہلِ عرش کو دیکھتا ہوں ۔ میرے سامنے آٹھوں بہشت اور ساتوں دوزخ ایسے ہی ظاہر ہیں جیسے کسی بت پرست کے سامنے بت ، اور مخلوقِ خدا میں سے ایک ایک کو میں اس طرح جانتا پہچانتا ہوں جس طرح گندم اور جو کو چکی میں ۔ بہشتی کون ہے اور

۴۰۔ "کتابِ مثنوی" ، ص ۸۹ ؛ "مثنوی شریف" ، ص ۸۷ ۔

بیگانہ کون ؟ سب میرے سامنے اس طرح ظاہر و عیاں ہیں جس طرح سانپ اور مچھلی :

گفت پیغمبر صباحی زید را — کیف اصبحت ای رفیق با صفا
گفت "عبداً مومناً" باز اوش گفت — "کو نشان از باغ ایمان گر شگفت"
گفت "تشنہ بودہ ام من روزہا — شب نخفتستم ز عشق و سوزہا
تا ز روز و شب جدا گشتم چنان — کہ ز اسپر بگذرد نوک سنان
کہ از آن سو جملہ ملت یکی است — صد ہزاران سال و یکساعت یکیست
ہست ازل را و ابد را اتحاد — عقل را رہ نیست سوی افتقاد"
گفت "ازین رہ کو رہ آوردی بیار — در خور فہم و عقول این دیار"
گفت "خلقان چون ببینند آسمان — من ببینم عرش را با عرشیان
ہشت جنت ہفت دوزخ پیش من — ہست پیدا ہمچو بت پیش شمن"[۳۱]

اس کے بعد چند اشعار میں مولانا نے شقی و سعید مخلوق سے بحث کی اور پھر جواب زید رض کی طرف رجوع کیا ہے ۔ زید کہتے ہیں کہ قیامت کے دن کی طرح میں تمام مرد و زن کی کیفیت کو برملا اور ظاہر دیکھ رہا ہوں ۔ اب حضور ص فرمائیں کہ میں بیان جاری رکھوں یا خاموش ہو جاؤں ۔ نبی کریم ص نے دندانِ مبارک سے اپنا ہونٹ دبایا جس کا مطلب تھا خاموش ہو جاؤ ۔ زید پھر بولے : یا رسول اللہ ! حشر کا کچھ تو راز بیان کروں اور اس طرح دنیا میں آج ہی نشر پیدا کر دوں ۔ حضور ص مجھے ذرا اجازت فرمائیں تا کہ میں راز کے پردے چاک کر ڈالوں اور اس طرح میری ذات کا گوہر آفتاب کی مانند چمکے ۔ میرے بیان سے خورشید گرہن پکڑے اور میں نخل اور بید کو ظاہر کر دوں یعنی فلاں کھجور کی طرح پھل سے پر ہے اور فلاں بید کی طرح بغیر پھل کے ہے ۔ حضور ص مجھے اجازت فرمائیں کہ میں روزِ حشر کی کیفیت کھول کر بیان کر دوں جس سے ہر کسی کا کھرا کھوٹا ظاہر ہو جائے گا ۔ اصحابِ شمال ـــ گنہگار لوگ ، قیامت کے روز جن کے بائیں ہاتھ میں نامۂ اعمال دیا جائے گا ـــ کی ہلاکت کی کیفیت ظاہر

۳۱- "کتابِ مثنوی" ص ۹۲ ؛ "مثنوی شریف" ، دفتر اول ، ص ۸۹ ، ۹۰ ۔

کروں جس سے ان پر اپنا کفر و ضلال و خرابی روشن ہو جائے ۔ نفاق کے سات سوراخ[۴۲] ایسے چاند کی روشنی میں کھول دوں جو گرہن اور تحت الشعاع سے پاک ہے ۔

زیدرض اسی طرح قیامت کے روز اصفیا و اشقیا کی جزا و سزا کے نتیجے میں ان کے درجات وغیرہ (یہ سب گویا قرآن کریم سے ماخوذ ہیں) کا ذکر اور انھیں ظاہر کرنے یا ان پر روشنی ڈالنے کا دعوی کرتے ہیں ۔ پھر کہتے ہیں کہ یہ تو میں صرف دور کے اشارے بیان کر رہا ہوں کیونکہ مجھے رسول اکرم ص کی ناراضی کا خوف ہے ۔ غرض ، بقول مولانا ، زیدرض مدہوش و مست اسی طرح باتیں کیے جا رہے تھے کہ حضور نے ان کا گریبان بند کر دیا اور ایسی باتوں سے منع فرمایا ۔ پھر فرمایا کہ تمھارا اسپِ گفتار بہت تیز و گرم ہو گیا ہے ۔ اس کو تھامو ۔ تم پر ''لایستحی''[۴۳] کا عکس پڑا جس سے تمھاری شرم جاتی رہی ۔ تمھارا آئینۂ قلب غلاف سے باہر نکل آیا ہے ، اور ظاہر ہے آئینہ اور میزان کبھی غلط نہیں کہتے ۔ آئینہ صورت کے سب عیب و نقص ظاہر کر دیتا ہے ۔ یہ دونوں کسی کے رنج یا حیا کا کب خیال کرتے ہیں ؟

اب مولانا آئینہ و میزان کی طرف متوجہ ہو کر ان کی حقیقت نمائی پر بڑی روانی سے ، مختلف تمثیلات کے ساتھ ، اظہار خیال کرتے چلے گئے ہیں اور رسول کریم ص اور زیدرض کی گفتگو کے واقعہ کو درمیان میں چھوڑ کر حضرت لقمان پر ان کے ساتھی غلاموں کی تہمت کا قصہ بیان کرنے لگتے ہیں :

۴۲۔ بقول بعض کے کبر ، حسد ، شہوت ، بخل ، غضب ، حقد اور حرص ، بعض کے مطابق شرک باللہ ، سحر ، قتل ، حرام ، زنا ، سود ، یتیم کا مال کھانا اور کفار سے لڑائی سے بھاگنا ۔ ہفت سوراخ سے مراد دوزخ کے سات درجات بھی ہیں (مولوی عبدالمجید پیلی بھیتی ، کتاب مذکورہ ، ص ۳۴۳) ۔

۴۳۔ اشارہ ہے سورۂ احزاب کی اس آیت کی طرف : ان ذالکم کان یؤذی ۔ ۔ ۔ (اس بات سے نبی ص کو ناگواری ہوتی ہے ۔ سو وہ تمھارا لحاظ کرتے ہیں (شرماتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ صاف صاف بات کہنے سے نہیں شرماتا ۔ ۔ ۔ الخ ۔ بقول صاحبِ ''بوستانِ معرفت'' ، یہ اشارہ ہے سورۂ بقرہ کی آیت ۲۶ کی طرف جس میں کہا گیا ہے کہ بے شک اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال بھی خواہ مچھر کی ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو ۔ ۔ ۔ الخ ۔

جمله را چون روز رستاخیز من | فاش می بینم عیان از مرد و زن
هین بگویم یا نه من بستم نفس | لب گزیدش مصطفی یعنی که بس
یا رسول الله بگویم سر حشر | در جهان پیدا کنم امروز نشر
هل مرا تا پرده ها را بر درم | تا چو خورشیدی بتابد گوهرم
تا کسوف آید ز من خورشید را | تا نمایم نخل را و بید را
وا نمایم راز رستاخیز را | نقد را و نقد قلب آمیز را
دست ها ببریده اصحاب شمال | وا نمایم رنگ کفر و رنگ آل
وا گشایم هفت سوراخ نفاق | در ضیاء ماه بی خسف و محاق
وا نمایم من پلاس اشقیا | بشنوانم طبل و کوس انبیا
دوزخ و جنات و برزخ درمیان | پیش چشم کافران آرم عیان
وا نمایم حوض کوثر را بجوش | کاب بر روشان زند بانگش بگوش

* * *

اهل جنت پیش چشمم ز اختیار | درکشیده یک یک را در کنار
دست یکدیگر زیارت می کنند | وز لبان هم بوسه غارت میکنند

* * *

این اشارتها ست گویم از نغول | لیک می ترسم ز آزار رسولؐ
همچنین میگفت سرمست و خراب | داد پیغمبرؐ گریبانش بتاب
گفت "هین درکش که اسبت گرم شد | عکس حق لا یستحی زد شرم شد
آینهٔ تو جست بیرون از غلاف | آینه و میزان کجا گوید خلاف[۴۳]

اگلے عنوان کی رعایت سے بظاہر اب پھر رجوع بقصدؑ مذکور ہے ، لیکن آغاز میں مولانا یہ کہہ کر کہ زیدؓ ! براقِ ناطقہ کی باگ روک لے ، زبان کی فضیحت پر نکتہ آفرینی کرنے لگتے ہیں کہ کس طرح یہ غیب کے پردے چاک کرتی اور دوسروں کے عیب ظاہر کرتی ہے ۔ اس ضمن میں ایک حکایت بیان کر کے گویا دوبارہ اصل موضوع کی جانب لوٹتے ہیں مگر اس مرتبہ بھی خیالات و افکار کا تیز بہاؤ انہیں صرف عنوان کی حد تک قابو رکھ کر دوسرے رخ پر

۴۳۔ "کتابِ مثنوی"، ص ۹۲ ، ۹۳ ۔

بہا لے جاتا ہے ، یعنی عنوان تو یہ جاتایا گیا ہے کہ "پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا زید سے کہنا کہ اس بھید کو فاش تر نہ کہو" لیکن متن میں نبی کریم کی اس حدیث کی تفسیر بیان کی گئی ہے : "میرے صحابہؓ ستاروں کی مانند ہیں ۔ تم ان میں سے جس کی بھی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے" اور اس طرح اس حصے میں بھی خیرالانام کا ذکر خیر آ گیا ہے ۔

مولانا کہتے ہیں کہ پیغمبر صلعم نے فرمایا : میرے صحابہؓ نجوم ہیں ۔ وہ رہ رووں کے لیے شمع اور شیطان کے لیے رجوم ہیں ۔ حضورؐ کی اس تشبیہ کی بنا پر مولانا فرماتے ہیں کہ "آفتابِ حقیقت خدا ہے جس کی تجلی براہ راست انسانوں کے لیے نظارہ سوز ہو جاتی اگر خدا اپنا نور انبیا میں منعکس کر کے عام لوگوں کو نہ پہنچاتا ۔ خدا آفتاب ہے اور نبی مانند ماہتاب ہے جو آفتاب سے نور حاصل کر کے اس کو انسانی آنکھوں کے لیے قابل برداشت بنا دیتا ہے ۔ ہر نبی بشر ہوتا ہے ۔ خدا کا نور اس بشریت میں منعکس ہو کر انسانوں کے لیے ظلمت ربا بنتا ہے ۔ بشر کو فیض بشر ہی کی وساطت سے پہنچ سکتا ہے ۔ انبیا سے کم نور ستاروں کا سا نور ہے جو مجموعی طور پر بھی چاند کے برابر روشنی نہیں دے سکتے ، لیکن بہر حال کسی قدر تاریکی کو دور کرتے ہیں اور راتوں میں چلنے والوں کو سمت اور وقت کا پتا دیتے ہیں ۔"[۴۵]

گفت پیغمبر کہ اصحابی نجوم ۔۔۔ رہروانرا شمع و شیطان را رجوم
ہر کسی را گر بُدی آن چشم و زور ۔۔۔ کہ گرفتی ز آفتاب چرخ نور
کی ستارہ حاجت استی ای ذلیل ۔۔۔ کہ بود بر نور خورشید او دلیل
ہیچ ماہ و اختری حاجت نبود ۔۔۔ کہ بود بر آفتاب حق شہود
ماہ میگوید بابر و خاک و فی ۔۔۔ من بشر بودم ولی یوحیٰ الی[۴۶]
چون شما تاریک بودم از نہاد ۔۔۔ وحی خورشیدم چنین نوری بداد
ظلمتی دارم بہ نسبت باشموس ۔۔۔ نور دارم بہر ظلمات نفوس

۴۵۔ خلیفہ عبدالحکیم ، کتاب مذکور ، ص ۱۵۰ - ۱۵۱ ۔
۴۶۔ سورۂ کہف کی ایک آیت کی طرف اشارہ ہے : "اے محمدؐ ! آپ کہہ دیجیے کہ میں تمہاری طرح ایک انسان ہوں اور مجھ پر وحی آتی ہے کہ تمہارا معبود خدائے واحد ہے ۔"

ز آن ضعیفم تا تو تابی آوری کہ نہ مرد آفتاب انوری[۳۷]

آخر میں یہ کہہ کر داستانِ زیدرضؓ و حضور اکرمؐ ختم کر دی ہے کہ ایسے اسرار بیان کرنا دانائی نہیں ، اس لیے کہ اس سے محشر بپا ہو جاتا ہے (بقول بابا بلھے شاہ : ع سچ آکھاں بھانبڑ مچدا اے[۳۸]) ۔ اب زیدرضؓ کہاں رہا وہ تو بھاگ گیا ۔ تم کون ہوتے ہو اس کو پانے والے ، وہ خود ، اس ستارے کی مانند جس پر خورشید ضوفشاں ہوا ، اپنے آپ کو نہ پا سکا :

این سخن پایان ندارد زید کو تا دہم پندش کہ رسوائی مجو
نیست حکمت ، گفتن این اسرار را چون قیامت میرسد اظہار را
زید را اکنون نیابی کو گریخت جست از صف نعال و نعل ریخت
تو کہ باشی زیدہم خود را نیافت ہمچو اختر کہ بر او خورشید تافت[۳۹]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے متعلق نبی آخر الزمانؐ کی ایک پیش گوئی بیان کرتے ہوئے حضورؐ کو پیغمبر کے لفظ سے یاد کیا گیا ہے ۔ اس حصے میں اس موضوع پر اظہار خیال ہے کہ جو کچھ کسی کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے وہ بدلا نہیں جا سکتا ، اور اللہ کے خاص بندوں نے اس معاملے میں ہمیشہ سرِ تسلیم خم کیا ہے ۔

حضرت علیرضؓ فرماتے ہیں کہ حضور صلعم نے میرے رکاب دار سے کہا کہ علیرضؓ کا قتل تمہارے ہاتھوں ہوگا ۔ اُس نے یہ بات مجھ سے بیان کر دی ۔ پھر وہ کہنے لگا کہ آپرضؓ (علی) اس سے پہلے ہی میری گردن اڑا دیں تا کہ مجھ سے یہ گناہ سر زد نہ ہو ۔ حضرت علیرضؓ نے اس سے کہا کہ جب میری موت تیرے ہاتھوں ہی لکھی ہے تو میں قضا کو کیونکر ٹال سکتا ہوں ۔ رکاب دار نے پھر اپنی اس بات پر بڑا اصرار کیا تا کہ ایسے انجامِ بد سے دو چار نہ ہونا پڑے ۔ حضرت علیرضؓ نے ''جف القلم'' کا حوالہ دیا (یعنی مقدر میں جو کچھ لکھا جا چکا ہے اس میں تغیر و تبدل نہ ہوگا) اور فرمایا کہ تیرے معاملے میں میرے

۳۷- ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۹۵ ۔
۳۸- ''قانونِ عشق'' ، حصہ دوم ، ص ۱۹۰ ۔
۳۹- ''کتابِ مثنوی'' ، ص ۹۵ ۔

دل میں کوئی بغض نہیں ، اس لیے کہ اس فعل کا فاعل دستِ حق ہے - تو محض ایک وسیلہ ہے - پھر میں اُس پر کیونکر طعن و تشنیع کر سکتا ہوں :

گفت پیغمبرؐ بگوش چاکرم	کو برد روزی ز گردن این سرم
کرد آگہ آن رسول از وحی دوست	کہ ہلاکم عاقبت بر دست اوست
او ہمی گوید بکش پیشین مرا	تا نیاید از من این منکر خطا
من ہمی گویم چو مرگ من ز تست	با قضا من چون توانم حیلہ جست
او ہمی افتد بہ پیشم کای کریم	مر مرا کن از برای حق دو نیم
تا نیاید بر من این انجام بد	تا نسوزد جان من بر جان خود
من ہمی گویم برو جف القلم	زین قلم بس سرنگون گردد علم
ہیچ بغضی نیست در جانم ز تو	ز آنکہ این را من نمی دانم ز تو
آلت حقی تو ، فاعل دست حق	چون زنم بر آلت حق طعن و دق۵۰

دفتر اول کے آخر میں بھی حضورؐ کو پیغمبرؐ کے لفظ سے یاد اور آپ کا ذکرِ خیر کسی قدر تفصیل سے کر کے یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضورؐ نے جو فتح مکہ وغیرہ کے لیے جہاد کیا تو اس سے حضورؐ کی کوئی دنیاوی غرض یا سلطنت کی خواہش نہ تھی کیونکہ حضورؐ نے خود ہی فرمایا ہے کہ یہ دنیا مردار ہے اور اس کا طالب کتا ہے - مولانا اس کی تشریح و تفسیر میں فرماتے ہیں کہ حضور پر فتح مکہ کے سلسلے میں حبِ دنیا کی تہمت کیونکر لگائی جا سکتی ہے - آپؐ کی ذاتِ والا صفات نے تو آزمائش کے موقع (معراج) پر ہفت آسمانوں کے خزائن سے بھی اعتنا نہ کیا - آپؐ ایسی ذات اقدس ہیں کہ اس موقع پر محض آپ کے نظارۂ جمال کے لیے تمام افلاک کے آفاق حورانِ جنت سے پر ہو گئے - قدسی حضورؐ کی خاکِ راہ پر لوٹ لوٹ گئے ، اور یوسفؑ ایسے سینکڑوں اصحابِ جمال حضورؐ کے چاہِ محبت میں گرفتار ہوئے - ان سب نے اس ذاتِ گرامی کے لیے خود کو آراستہ پیراستہ کر رکھا تھا ، لیکن حضورؐ کو دوست کے سوا کس کی پروا ؟ حضورؐ ایسی عظمت و بزرگی اور اجلالِ حق سے پر تھے جس میں اہل اللہ و مخلوقِ خدا کو دخل نہ تھا - - - - اس کے بعد مولانا نے حضور اکرم

۵۰- ایضاً ، ص ۱۰۰ -

کی یہ حدیث مبارک پیش کی ہے کہ میرا اپنے خدا کے ساتھ ایک ایسا وقت بھی ہوتا ہے جس میں کوئی نبی مرسل ، کوئی فرشتہ اور روح وغیرہ نہیں سماتے - - - -

اس حدیث کا ایک حصہ پیش کر کے مولانا فرماتے ہیں کہ اب تم اسی سے حضور ختمی مرتبت کی بزرگی و عظمت کا اندازہ لگا لو - پھر مولانا نبی کریمؐ کی دنیوی مال و جاہ سے بے اعتنائی کو مختلف امثال سے واضح کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جب افلاک و عقول کے خزائن حضورؐ کی نظروں میں پر کاہ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے تھے تو اس مکہ و شام و عراق کی کیا وقعت تھی جس کی خاطر حضورؐ کسی غزوہ یا جہاد کی طرف مائل ہوتے ؟ درحقیقت جو لوگ حضورؐ کے بارے میں ایسا گمان رکھتے ہیں (کہ حضور نے دنیا کے لیے جہاد کیا) ان کا ضمیر برائیوں کی آماج گاہ ہے ، اور ان کا یہ سارا قیاس ان کے جہل و حرص پر مبنی ہے - ایسے لوگوں کی مثال زرد آبگینہ کی طرح ہے جسے جب آنکھوں سے لگایا جائے تو آفتاب کی روشنی زرد ہی نظر آئے گی - مولانا اس زرد و کبود شیشہ (حرص و جہل) کو توڑنے کی تلقین کرتے ہیں تا کہ ''گرد'' اور ''مرد'' میں پہچان کی جا سکے - گرد وغیرہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا نے شیر دنیا اور شیر مولیٰ کی بحث چھیڑی ہے اور پھر یہ کہا ہے کہ شیر حق موت کا طالب ہے کہ اس کی بدولت آگے چل کر اسے کئی وجود عطا ہوتے ہیں -

اس کے بعد مولانا نے قرآن کریم کی ایک آیت کے حوالے سے ، جس میں حضورؐ کا بالواسطہ طور پر ذکر آ گیا ہے ، یہودیوں کی آزمائش کا تذکرہ چھیڑا ہے - آیت کا مفہوم کچھ اس طرح ہے کہ (اے محمد !) آپ یہودیوں سے کہ دیجیے کہ اگر تم لوگ خود کو خدا کے خاص بندے سمجھتے ہو تو موت کی تمنا کرو - مولانا آرزوے مرگ کو انتہائی سود مند قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جب محمد صلعم نے یہ علم (یہودیوں سے تمناے مرگ کا ذکر) بلند کیا تو یہودیوں میں اس کا زہرہ کہاں ؟ اگر وہ یہ تمنا زبان پر لے آتے تو اپنے آپ ہی مر جاتے ، کوئی یہودی باقی نہ بچتا - چنانچہ یہودی خوب مال و خراج لے کر حضورؐ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے کہ آپ ہمیں رسوا نہ کیجیے گا - اور اس کے بعد وہ جزیہ دینے پر آمادہ ہو گئے اور خوش و خرم زندگی بسر کرنے لگے :

جہد پیغمبرؐ بفتح مکہ ہم کی بود در حب دنیا متہم

آنکه او از مخزن ہفت آسمان — چشم دل بربست روز امتحان
از پی نظارۂ اش حور جنان — پر شده آفاق ہر ہفت آسمان
قدسیان افتاده بر خاک رہش — صد چو یوسف اوفتاده در چہش
خویشتن آراستہ از بہر او — خود ورا پروای غیر دوست کو
آنچنان پر گشتہ از اجلال حق — کاندرو ہم رہ نیابد آل حق
لایسع فینا نبی مرسل — و الملک والروح ایضاً فاعقلوا
گفت ما زاغیم ، ہمچون زاغ نی — مست صباغیم مست باغ نی
چونکہ مخزنہای افلاک و عقول — چون خسی آمد بر چشم رسول
پس چہ باشد مکہ و شام و عراق — کہ نماید او نبرد و اشتیاق
آن گمان بر وی ضمیری بد کند — کو قیاس از جہل و حرص خود کند
ز آبگینہ زرد چون سازی نقاب — زرد بینی جملہ نور آفتاب
بشکن آن شیشہ کبود و زرد را — تا شناسی گرد را و مرد را
شد ہوای مرگ طوق صادقان — کہ جہودان را بُد آلدم امتحان
ور نبی فرمود کای قوم یہود — صادقانرا مرگ باشد برگ و سود
ہمچنان کہ آرزوی سود ہست — آرزوی مرگ بردن زان ہست
ای جہودان بہر ناموس کسان — بگذرانید این تمنا بر زبان
یک جہودی اینقدر زہره نداشت — چون محمدؐ این عَلم را بر فراشت
گفت اگر رانید این را بر زبان — یک یہودی خود نماند در جہان
پس یہودان مال بردند و خراج — کہ مکن رسوا تو مارا ای سراج
جزیہ پذرفتند و می بودند شاد — ہمچنان واللہ اعلم بالرشاد[۵۱]

مذکوره بالا مقامات کے علاوه دفتر اول کے درج ذیل مقامات پر بھی حضور اکرمؐ کا ذکر خیر کسی نہ کسی صورت میں آ گیا ہے :

''رنجیدن شیر از دیر آمدن خرگوش'' (''مثنوی شریف'' ص ۳۱) :

از درمہا نام شاہان بر کنند — نام احمدؐ تا قیامت می زنند

۵۱- ایضاً ، ص ۱۰۲ -

نام احمدؐ نام جملہ انبیا ست چونکہ صد آمد نود ہم پیش ما ست

''ہم در بیان مکر خرگوش و تاخیر او در رفتن'' (ایضاً ، ص ۳۲) :

پس ترا ہر لحظہ مرگ و رجعتی ست مصطفیٰؐ فرمود ''دنیا ساعتی ست''

مولانا اشرف علی تھانوی اس حصے کے چند اشعار کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے ایک جگہ رقم طراز ہیں : ''بندہ راقم کہتا ہے کہ مجھ کو اس حدیث کی تحقیق نہیں اور نیز یہ معنی خلاف متبادر ہیں ۔ ظاہر معنی اس قول کے یہی ہیں کہ دنیا ناپائداری میں مثل ایک ساعت کے ہے ۔ لیکن اس حدیث کا نہ ہونا یا اس کے یہ معنی نہ ہونا اصل مسئلہ میں مضر نہیں کیونکہ یہ مسئلہ کشفی ہے ، کشف کے لیے ثابت بالنقل ہونا ضروری نہیں ۔ البتہ مخالفِ نقل نہ ہونا ضروری ہے ۔ ۔ ۔ ۔''[۵۲]

''پا وا پس کشیدن خرگوش از شیر چون نزدیک چاہ رسید'' (''مثنوی شریف'' ، ص ۳۵) :

گفت پیغمبر بہ تمییز کسان مرء مخفی لدی طی اللسان[۵۳]

نیز ملاحظہ ہو ''مثنوی شریف'' ، ص ۴۳ (گفت پیغمبر ۔ ۔ ۔ الخ) ، ص ۵۴ ، (خذتمو ۔ ۔ ۔ الخ) و ''کتاب مثنوی'' ، ص ۶۶ ، ۷۰ ، ۷۱ و ۷۳ ۔

مآخذ

۱۔ قرآن مجید ، مطبوعہ تاج کمپنی ، لاہور ۔

۲۔ ''مثنوی شریف'' مطبوعہ مطبع مجیدی کانپور ۱۳۳۲ھ ۔

۳۔ ''کتابِ مثنوی'' بخط و تصحیح سید حسن بن مرحوم سید مرتضیٰ ، میر خانی ، تہران ۔

۴۔ مکتوبات مولانا جلال الدین محمد مشہور بمولوی بکوشش یوسف جمشیدی پور ، غلام حسین امین ۔ تہران ، ۱۹۵۶ ۔

۵۲۔ مولانا اشرف علی تھانوی ، کتاب مذکور ، ص ۱۵۵ ۔
۵۳۔ تشریح کے لیے ملاحظہ ہو ، ایضاً ، ص ۱۵۸ ۔

۵- حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی ، ''التکشف عن مہمات التصوف''
لاہور ، ۱۹۶۰ -
۶- مولوی عبدالمجید پیلی بھیتی ، ''بوستانِ معرفت'' ، نولکشور ، لکھنؤ ،
۱۹۳۷ -
۷- ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم ، ''تشبیہاتِ رومی'' ، ادارۂ ثقافت اسلامیہ ،
لاہور ، ۱۹۵۹ -
۸- ''قانونِ عشق'' -
۹- ''غیاث اللغات'' -

فرد قائم ربطِ ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں اور بیرونِ دریا کچھ نہیں

کا مطلب اقبال کی زبانی*

کائناتِ عالم میں زندگی کی لہر کو میں ایک وسیع سمندر تصوّر کرتا ہوں جس میں چھوٹی چھوٹی موجیں نامعلوم طور پر معرضِ وجود میں آتی ہیں ۔ یہ موجیں محدود اور غیر مشترک انفرادی حیثیتوں میں ایک دوسرے سے ایسا ربط رکھتی ہیں جو بظاہر نظر نہیں آتا ۔ ہر موج بجائے خود ایک عالم ہے (اب لیز [Leibniz] ، تاہم وہ اپنے جیسے دوسرے عالموں کے ساتھ مربوط ہے (برگساں [Bergson]) ۔ زندگی کے ان دو ابتدائی اور اصولی نظریوں کو قائم کرنے میں یورپ کے فلسفیوں کو کئی صدیاں درکار ہوئیں ، لیکن قرآن مجید اس نظریے کو نہایت خوبصورتی کے ساتھ ظاہر کرتا ہے : و خلقنکم فی نفسٍ واحدۃ (اور ہم نے پیدا کیا تم کو نفسِ واحد سے) ۔ یہ ظاہر ہے کہ ہر موج سمندر میں رہ کر اپنی انفرادی حیثیت قائم رکھتی ہے اور سمندر سے الگ ہو کر اپنا وجود کھو بیٹھتی ہے ۔ تھوڑے سے غور سے یہ بات معلوم ہوگی کہ ہر فرد افراد کے اس مجمعِ عظیم میں اپنے ماحول کا کس قدر ممنون ہے ۔ جسم جو ہماری ہستی کو مادی مفہوم میں بطور خرد کے مشخص کرتا ہے ، زبان جو ہم بولتے ہیں ، لباس جو ہم پہنتے ہیں اور بڑی حد تک خیال جو ہم سوچتے ہیں اور مذہب جس پر ہم اپنی زندگی کو منحصر رکھتے ہیں ، وہ سب اسی جماعت کے اوضاع و اطوار کے پابند ہیں جس میں کہ ہم پیدا ہوتے ہیں ۔

---

*منقولہ از بشیر احمد ڈار ، مرتب ، "انوارِ اقبال" (لاہور ، اقبال اکادمی ، ۱۹۷۷) ، ص ۳۳ - ۳۴ ۔ فاضل مرتب نے یہ نہیں بتایا کہ انھوں نے یہ اقتباس کہاں سے لیا ۔

حضرت مولانا محمد یحییٰؒ

محمد حنیف

آپ کا نام محمد یحییٰ ، کنیت ابو اسماعیل اور لقب سرالاعظم تھا ۔ آپ اٹک کے نام سے مشہور ہیں ۔ آپ ۱۰۴۳/۱۶۳۳ کے حدود میں اٹک میں پیدا ہوئے ۔[1] مغل نسل کی چغتائی شاخ سے تعلق رکھتے تھے ۔ آبائی وطن ماوراء النہر ہے جہاں آپ کا خاندان "خاندانِ شیخاں" کے نام سے یاد کیا جاتا تھا ۔ خیر و برکت اور صلاح و فلاح کی وجہ سے اس گھرانے کو بہت شہرت حاصل تھی اور ہر دور میں خاص و عام کا مرجع رہا ہے ۔

۱۔ عبدالحلیم اشرف صاحب نے اپنی کتاب ''روحانی تڑون'' کے صفحہ ۶۸۳ پر شیخ محمد یحییٰ کا سنِ پیدائش ۱۰۲۴/۱۶۱۵ اور مقامِ پیدائش سرہند بتایا ہے ، مگر راقم الحروف کے نزدیک یہ دونوں باتیں محلِ نظر ہیں ، اس لیے کہ حضرت شیخ محمد یحییٰ خود فرماتے ہیں کہ ''سید آدم بنوریؒ کی وفات کے وقت میں سنِ بلوغ کو نہیں پہنچا تھا ۔'' چونکہ حضرت سید آدم بنوریؒ ۱۰۵۳/۱۶۴۳ کو وفات پا چکے تھے ، لہٰذا اگر اس وقت حضرت محمد یحییٰؒ کی عمر تیرہ سال فرض کر لی جائے تو اس حساب سے بھی اُن کا سنِ پیدائش (۱۰۵۳ - ۱۳) ۱۰۴۰/۱۶۳۱ برآمد ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ وثوق کے ساتھ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ۱۰۲۴/۱۶۱۵ آپ کا سنِ ولادت درست نہیں ہے ، اور جہاں تک آپ کی جائے پیدائش کا تعلق ہے تو اس سلسلے میں یہ بات یقینی ہے کہ آپ کے آبا و اجداد اٹک کے گرد و نواح میں آباد تھے اور عرصہ دراز سے وہاں پر سکونت رکھتے تھے ۔ کسی ذریعے سے یہ بات معلوم نہیں ہو سکی ہے کہ یہاں سے آپ کے آبا و اجداد سرہند بھی نقلِ مکانی کر گئے تھے ۔ لہٰذا قرین قیاس یہی ہے کہ آپ اٹک کے مضافات ہی میں پیدا ہوئے ۔ واللہ اعلم ۔

سر زمین پنجاب کی جانب ہجرت اور باعثِ سکونت ۔ کہتے ہیں کہ زمانۂ قدیم میں آپ کے اسلاف میں سے کسی بزرگ کو راہِ سلوک کی فکر دامن گیر ہوئی ۔ لہٰذا فقر و درویشی کی طلب میں اپنے وطن مالوف سے روانہ ہو کر پنجاب میں وارد ہوئے ۔ یہاں آ کر ایک ایسے ولی اللہ کے ساتھ ملاقات ہوئی جس نے کسبِ لوہاری کو بطور پیشہ اختیار کیا تھا ۔ وہ اُن کی صحبت میں رہ کر خدمت کرتے رہے تا آنکہ اُس ولی کے التفات و توجہ کی برکت سے ولایت و عرفان میں بلند مقام پر فائز ہوئے ۔ حصولِ کمال کے بعد آپ اپنے شیخ کی صاحب زادی کے ساتھ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہو گئے اور مقام اٹک سے تقریباً آٹھ میل دور ''سروالہ'' نامی گاؤں میں مستقل سکونت اختیار کر کے عرصۂ دراز تک اپنے انوار و فیوضات سے یہاں کی فضا کو منور کیے رکھا ۔[۲]

آبا و اجداد ۔ آپ کے پردادا کا نام شیخ ہوبا[۳] ہے ۔ ان کو اپنے آبا و اجداد سے نسبتِ طریقت حاصل تھی ۔ اپنے دور میں ایک مرجعِ خلائق بزرگ تھے ۔ پیشہ کے لحاظ سے آپ لوہار تھے اور اسی پیشہ کو اخفائے حال کا ذریعہ بنائے ہوئے تھے ۔

دادا کا نام شیخ الیاس تھا ۔ بڑے فیض بخش اور خدا رسیدہ بزرگ تھے ۔ للتہیت اور انفاق فی سبیل اللہ میں درجۂ کمال حاصل تھا ۔ آپ کاشت کاری کرتے تھے اور جو بھی غلہ حاصل ہوتا تھا فقرا و مساکین پر خرچ کر دیتے تھے ۔ شیخ موصوف ایک عابد و زاہد آدمی تھے ۔ آپ نے خدمتِ خلق کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا تھا ۔ مخلوقِ خدا کی حاجت براری میں حد درجہ کوشش فرماتے اور جب تک دوسروں کا کام پورا نہ کر لیتے اُس وقت تک اپنے کام کو ہاتھ بھی نہ لگاتے ۔ سلطان جہانگیر (المتوفی ۱۰۳۷/۱٦۲۷) نے مددِ معاش کے لیے موضع سروالہ کے قریب ایک وسیع قطعۂ اراضی اُن کو بطورِ جاگیر دے دیا تھا ۔[۳]

والد بزرگوار کا نام شیخ پیر داد[۳] تھا ۔ شیخ مذکور ایک مرتاض اور پابندِ شریعت بزرگ تھے ۔ شیخ محمد یحییٰ[۳] ابھی صغیر السن ہی تھے کہ والد ماجد کے سایۂ شفقت سے محروم ہو گئے ۔ والد بزرگوار کی وفات کے بعد آپ اپنے دادا

۲۔ ملاحظہ ہو میاں محمد عمر چمکنی[۳] ، ''ظواہر السرائر'' (قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، لاہور) ، ص ٦۲۱ ، ٦۲۴ ۔

۳۔ ایضاً ، ص ٦۲۱ - ٦۲۵ ۔

حضرت شیخ الناس ؒ کی آغوشِ تربیت میں رہے جنھوں نے نہایت اخلاص و محبت سے اُن کی پرورش و تربیت کا بیڑا اُٹھایا ۔ حضرت سر الاعظم ؒ خود فرماتے ہیں :
"میرے دادا اپنے تمام اہل و عیال سے زیادہ میرے ساتھ پیار و محبت کرتے تھے اور جب امورِ زراعت کے لیے کھیتوں میں جانے کا ارادہ کرتے تو مجھے گھوڑی پر بٹھا کر ساتھ لے جاتے تھے ۔"

جب شیخ پیر داد کا وصال ہوا تو اُس وقت شیخ محمد یحییٰ ؒ سنِ بلوغ کو نہیں پہنچے تھے ۔ حضرت سر الاعظم ؒ کا بیان ہے : ''یہ وہ زمانہ تھا جب کہ مدینہ میں حضرت سید آدم بنوری ؒ کا انتقال ہو چکا تھا اور اُن کے بعض اصحاب و احباب واپس پنجاب آئے ہوئے تھے ۔ اُن کی زبانی حضرت سید آدم بنوری ؒ کے کمالات و کرامات سننے کا اتفاق ہوا ۔ اس وجہ سے اُن کے ساتھ محبت و شوق کا جذبہ دل میں پیدا ہوا اور روز بروز اس میں اضافہ ہوتا گیا تا آنکہ اپنے گھر سے نکل کر حضرت سید آدم بنوری ؒ کی طرح پیرِ طریقت کی تلاش میں ہر شہر و ملک کا چکر کاٹتا رہا ۔ اس سفر کے دوران میں مجھے معلوم ہوا کہ کشمیر میں بھی ایک شیخ موجود ہے ۔ میں نے جا کر اُس کی خدمت میں حاضری دی ، مگر دیکھا کہ تمبا کو نوشی کر رہا ہے ۔ لہٰذا اُس کو سلام بھی نہیں کیا اور واپس لوٹ آیا ۔ اس کے بعد دل میں یہ آرزو پیدا ہوئی کہ اگر حضرت سید آدم بنوری ؒ کے کسی مرید و خلیفہ کے ہاتھ بیعت نصیب ہوئی تو یہ میرے لیے ایک سعادتِ عظمیٰ ہوگی ۔ چنانچہ جہاں کہیں بھی کسی شیخ و پیر کے بارے میں اطلاع ملی اُس کی خدمت میں حاضر ہوتا مگر اطمینانِ قلب حاصل نہ ہوتا ۔ اس لیے وقتِ موعود کا انتظار کرتا رہا ۔''[۴]

ابتدا میں آپ شیخ تلا[۵] سے وابستہ تھے مگر جب آپ فوت ہوئے تو

۴۔ ایضاً ، ص ۶۳۲ ۔

۵۔ شیخ تلا حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے فرزند عروۃ الوثقیٰ حضرت مولانا محمد معصوم ؒ کے مرید و خلیفہ تھے اور بڑے عالم و فاضل بزرگ تھے ۔ قلعہ اٹک کے قرب و جوار میں سکونت رکھتے تھے ۔ حضرت سر الاعظم ؒ کے والد بزرگوار نے بھی اُن سے روحانی فیض حاصل کیا تھا ۔ ملاحظہ ہو ایضاً ، ص ۶۳۲ - ۶۳۰ ۔ تا دمِ تحریرِ ہذا راقم الحروف کو موصوف کے دیگر حالات دستیاب نہیں ہو سکے ہیں ۔

حضرت محمد یحییٰؒ نے حضرت شیخ سعدی لاہوریؒ کی خدمت میں حاضری دی ۔ ان کی صحبت میں رہ کر آپ نے روحانیت میں بلند و ممتاز مقام حاصل کیا[۶] ، یہاں تک کہ ان کے منظورِ نظر خلیفہ مجاز کے مقام تک پہنچے ۔

آپ نہایت عابد و زاہد بزرگ تھے ۔ شیخ محمد شمس آبادی کے صاحب زادے محمد یوسف کا بیان ہے : ''میں حضرت سعدیؒ کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر دریائے اٹک کو عبور کر رہا تھا کہ اچانک شیخ یحییٰؒ ظاہر ہوئے جو حضرت سعدیؒ کی ملاقات کے لیے آ رہے تھے ۔ حضرت سعدیؒ نے اس موقعہ پر ان کے کمالِ ریاضت اور محنتِ شاقہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا : 'سبحان اللہ ! ایں عزیز چہ گزران دارد' ۔''

حضرت سر الاعظمؒ کا بیان ہے : ''ایک بار (۱۱۰۷/۱۶۹۵) میں حضرت سعدیؒ کی ملاقات کے لیے لاہور گیا ۔ وہاں دوسرے احباب و رفقا کے ساتھ حضرت سعدیؒ کی مسجد میں قیام کیا ۔ ایک رات آپ ہمارے پاس تشریف لائے اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا : 'جاگ رہے ہو ؟' میں نے کہا : 'ہاں ۔' فرمایا : 'بیداری متضمن سعادت جاودانی است ۔ ہر کسی را میسر نمی شود' (یعنی بیداری میں سعادتِ جاودانی ہے ہر شخص کو یہ (سعادت) میسر نہیں ہوتی) ۔ یہ فرمانے کے بعد مجھے تھوڑی دیر سونے کی ہدایت فرمائی ۔'' حضرت سر الاعظمؒ نے ۱۱۱۲/۱۷۰۰ میں ایک مجلس میں فرمایا : ''حالاً پنج سال است کہ از راہِ بشریت خواب می رویم و پیش ازاں چند سال بہ خواب نہ رفتہ بودیم''[۷] یعنی پانچ سال ہوئے کہ از راہِ بشریت سوتا ہوں اور اس سے چند سال پہلے میں نہیں سوتا تھا ۔

حضرت سر الاعظمؒ قولاً ، فعلاً اور حالاً شریعتِ محمدیؐ کے تابع اور سنتِ نبویؐ کے پابند پیر و مرشد تھے ۔ حضرت میاں صاحب چمکنیؒ آپ کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ''حضرت خدمت مولانا پیوستہ شرفِ قبول و وصول صحبت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم دارند و ہمیشہ افعال و اقوال ایشان بہ متابعت شریعت غرا و اطوار و احوال ایشان بہ مطابقت بیضا است و بر جادہ شریعت مقیم و

۶۔ میاں محمد عمر چمکنیؒ ، کتاب مذکور ، ص ۶۳۸ ۔
۷۔ ایضاً ، ص ۶۸۷ ۔

بر سجادۂ طریقت مستقیم اند"[۸] یعنی حضرت سرالاعظمؒ ہمیشہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے شرفِ قبولیت اور شرفِ صحبت سے مشرف ہوتے ہیں ۔ آپ کے تمام اقوال و افعال اور تمام احوال و اطوار شریعتِ بیضا کے موافق ہوتے ہیں اور ہمیشہ راہِ شریعت پر ثابت قدم اور سجادۂ طریقت پر مستقیم رہتے ہیں ۔

ایک اور معاصر صوفی عالم حضرت مولانا محمد غوث قادریؒ آپ کی عظمتِ شان کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "شیخ یحییٰ از افرادِ زمانہ بودند ۔ ۔ ۔ ۔ و در ورع و ریاضت ممتاز بودند و از غیر حق اعراض کلی داشتند ۔ چنانچہ خاک و طلا و شاہ و گدا در نظر او متساوی بود و سوائی یاد حق فرصت نہ داشتند و کسی را در مجلس ایشان مجال سخن نہ بود و ہر کہ می آمد بے اختیار ساکت می شد و توجہ بہ یادِ حق می نمودند و خوارق ایشان اکثر بہ ظہوری آمدند و گاہی بر چارپائی خواب نہ کردند و بر بالین زیرِ سر نہ نہادند و از وضوِ عشا نماز صبح می خواندند"[۹] یعنی حضرت شیخ یحییٰؒ افرادِ زمانہ میں سے ایک تھے ۔ ۔ ۔ ریاضت و ورع میں ممتاز تھے اور غیر اللہ سے کلی اجتناب رکھتے تھے ، ایسا کہ خاک و سونا اور شاہ و گدا آپ کی نظر میں برابر تھے اور سوائے یادِ حق کے دوسرے امور کے لیے فارغ نہ تھے ۔ آپ کی مجلس میں کسی کو بات کرنے کی جرأت نہ ہوتی ۔ جو کوئی بھی آپ کی مجلس میں آتا بے اختیار خاموش ہو جاتا اور یادِ حق کی طرف متوجہ ہو جاتا تھا ۔ آپ سے اکثر کرامات کا ظہور ہوتا ۔ چارپائی پر ہرگز نہیں سوتے تھے اور تکیہ سرہانے نہ رکھتے تھے اور (شب بیداری کی حد یہ کہ) عشا کے وضو سے صبح کی نماز پڑھتے تھے ۔

ذکرِ نفی و اثبات بہ طریق حبسِ نفس ۔ حضرت سر الاعظمؒ کو حبسِ نفس (یا حبسِ دم) کے ساتھ ذکرِ نفی و اثبات میں ممتاز حیثیت حاصل تھی ۔ آپ خود فرمایا کرتے تھے : میں ایک رات کو صرف چار سانس میں گزارتا تھا اور ہر سانس میں تقریباً سات ہزار بار ذکرِ نفی و اثبات کیا کرتا تھا اور ارادہ تھا کہ ایک سانس میں ساری رات گزاروں ، مگر جب اپنے پیر و مرشد حضرت سعدی

۸۔ ایضاً ، ص ۶۲۸ ۔

۹۔ محمد غوث قادری ، "رسالہ غوثیہ" (قلمی) ۱۱۲۶ھ ، ص ۵۲ - ۵۳ ۔

لاہوریؒ کو اس کی اطلاع دی تو آپ نے اس مرحلہ پر منع فرمایا اور کہا کہ یہ کافی ہے ۔ اس سے زیادہ دماغ میں خلل پیدا کرتا ہے ۔''[۱۰]

پیر و مرشد کے ساتھ عقیدت ۔ حضرت سر الاعظمؒ اپنے پیر و مرشد حضرت سعدی لاہوریؒ کے ساتھ انتہائی عقیدت و محبت رکھتے تھے ۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار آپ لاہور سے اٹک تشریف لا رہے تھے ۔ راستے میں ایک مقام پر چند لوگ ملے جو قوالی سن رہے تھے ۔ اس دوران میں اتفاقاً ایک قوال کی زبان پر لفظ ''لاہور'' آیا ۔ یہ نام سنتے ہی آپ بے ہوش ہو گئے ۔[۱۱]

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنے پیر طریقت کی تمام خصوصیات و صفات سے مزین فرمایا تھا ۔ چنانچہ حضرت میاں صاحب چمکنیؒ لکھتے ہیں : ''وجود مبارک سر الاعظم را غنیمت روزگار باید دانست و فی الحقیقۃ آنست کہ حضرت ایشان علیہ الرحمۃ و الرضوان باز از سرنو در دنیا ظہور کردہ اند بعد از انکہ از دنیا رحلت کردہ بودند''[۱۲] یعنی حضرت سر الاعظمؒ کے وجودِ مبارک کو غنیمت سمجھنا چاہیے ، اور حقیقت یہ ہے کہ (ایسا معلوم ہوتا ہے) گویا حضرت ایشان (سعدی لاہوری) علیہ الرحمۃ رحلت کرنے کے بعد دوبارہ دنیا میں ظاہر ہو کر آئے ہیں ۔

حضرت سر الاعظم اپنے پیرو مرشد کی نظر میں ۔ حضرت سعدی لاہوریؒ اپنے مرشد حضرت سر الاعظمؒ کو نہایت قدر و منزلت کی نظر سے دیکھتے تھے اور اپنے احباب و رفقا کو حضرت سر الاعظمؒ کی صحبت سے استفادہ کرنے کی

۱۰۔ میاں محمد عمر چمکنی ، کتاب مذکور ، ص ۶۲ ۔ حضرت میاں صاحب چمکنیؒ نے حضرت شیخ یحییٰؒ کے حبسِ دم کا یہ حال ۱۱۱۲/۱۷۰۰ء میں قلم بند کیا ہے ۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے آخری عمر میں اس طریقۂ ذکر میں اور بھی ترقی حاصل کی تھی ، کیونکہ ایک معاصر صوفی مولانا محمد غوث ۱۱۲۶ھ میں حضرت شیخ یحییٰؒ کا چشم دید حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں : ''ذکر قلبی در صحبت ایشان غالب بود و حبس نفس بسیار می کردند ۔ چنانچہ در تمام شب یک دو نفس می کشیدند'' (کتاب مذکور ، ص ۵۲) ۔

۱۱۔ میاں محمد عمر چمکنیؒ کتاب مذکور ، ص ۶۲ ۔

۱۲۔ ایضاً ، ص ۶۹۳ ۔

ترغیب فرمایا کرتے تھے ۔ حضرت میاں صاحب چمکنی کا بیان ہے کہ ایک بار جب کہ حضرت سعدی پشاور سے لاہور تشریف لے جا رہے تھے اور کثیر تعداد میں لوگ آپ کے ہم رکاب تھے ، اچانک آپ کی نظر حضرت سر الاعظم پر پڑی ۔ اپنے ایک مخلص دوست سے مخاطب ہو کر فرمایا : ''مولانا یحییٰ کو جانتے ہو؟'' اُس نے جواب دیا : ''نہیں ۔'' حضرت سعدی نے فرمایا : ''ایشان را ببیند و شرف ملازمت ایشان را در یابید کہ بسیار عزیز اند و از جملہ مقبولانِ الٰہی اند''۱۳ یعنی اُن کو ضرور دیکھیے اور اُن کی صحبت کا شرف حاصل کیجیے کہ نہایت عزیز ہیں اور منجملہ مقبولانِ الٰہی ہیں ۔

اکثر اپنے مریدوں سے فرمایا کرتے تھے : ''اگر ذکر و فکر اور احوالِ سلوک کے بارے میں دریافت کرنے کی ضرورت پڑے تو محمد یحییٰ سے دریافت کیا کرو ۔''۱۴

حضرت میاں محمد عمر چمکنی فرماتے ہیں : ''ایک بار جب حضرت سعدی نے پشاور آنے کا ارادہ کیا تو اس موقعہ پر حضرت سر الاعظم کو مخاطب کرکے فرمایا : ''بہ جانب ولایتی کہ در قبضۂ اقتدار و در زیرِ حکومت شما است می رویم''۱۵ یعنی میں اس ملک کی جانب جا رہا ہوں جو آپ کے قبضۂ اقتدار میں ہے اور آپ کے زیرِ حکومت ہے ۔

حضرت سر الاعظم کے فقر و تجرد کا حال ۔ حضرت سر الاعظم فقر و تجرد کی صفاتِ عالیہ سے متصف تھے ۔ آپ فرماتے ہیں : ''سلوک و طریقت کے ابتدائی زمانے میں میرے گھر میں پانچ سو روپیہ نقد اور بہت زیادہ غلہ موجود تھا ۔ ایک رات خواب میں ایک بزرگ دکھائی دیے اور مجھے مخاطب ہو کر فرمایا : 'جو کچھ تو تلاش کرتا ہے اور جو کچھ تمہارے پاس موجود ہے دونوں ایک دوسرے کی ضد ہیں ۔ ہرگز یہ دونوں چیزیں ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں ۔' نیز اُس خواب میں میں نے دیکھا کہ ایک بڑا دریا ہے جس کے کنارے بہت سی غلاظت ہے اور اُس غلاظت کی دوسری جانب ایک خوب صورت نوجوان کھڑا

۱۳- ایضاً ، ص ۶۳۹ -
۱۴- ایضاً ، ص ۵۶۰ -
۱۵- ایضاً ، ص ۶۶۷ -

ہے جو حسن و خوبی کی تمام صفات سے آراستہ و پیراستہ ہے ۔ اُس بزرگ نے مجھے بتایا کہ یہ دریا دریائے تجرید ہے اور وہ نجاست نجاستِ دنیوی ۔ جب تک اس نجاست کو اس دریا میں نہ بہایا جائے اُس نوجوانِ خوش خصال تک رسائی محال ہے اور اس نوجوان سے مراد حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت ہے ۔" فرماتے ہیں : "اس واقعہ سے میں بہت متاثر ہوا اور غور و فکر کرتا رہا کہ دوسری رات دوبارہ وہ بزرگ آئے اور فرمایا : 'ابھی تک دنیا کو ترک نہیں کیا ہے ؟' میں نے کہا : 'مشائخِ متقدمین میں سے بہت سے حضرات ایسے ہیں جو کافی مال و دولت کے مالک تھے ۔ اس کے باوجود نہ تو اُن کے مرتبے میں کچھ فرق آیا اور نہ اُن کے کمالات کو کچھ نقصان پہنچا ۔' اُس بزرگ نے جواب میں کہا : 'مشائخ میں سے کوئی دنیا میں مبتلا ہو جاتا ہے اور اگرچہ دنیا کی جانب قلبی میلان نہ بھی رکھتا ہو مگر پھر بھی وہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دوامِ صحبت سے محروم رہتا ہے اور بہ قدر گرفتاری آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت سے حجاب واقع ہوتا ہے اور اگر کبھی شرفِ صحبت حاصل بھی ہو تو وہ ورادِ حجاب ہوا کرتی ہے اور جو شخص چاہتا ہے کہ ہر وقت اُسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت نصیب ہو اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کے درمیان حائل تمام حجابات بصر و بصارت کے سامنے نہ رہیں تو اُسے چاہیے کہ وہ اصلاً و قطعاً دنیا کے ساتھ تعلق نہ رکھے ۔ ۔ ۔ ۔" حضرت سر الاعظمؒ فرماتے ہیں : "جب میں خواب سے بیدار ہوا تو فوراً اپنے گھر آیا اور جو کچھ میرے پاس موجود تھا سب کو اپنی ملکیت سے نکال دیا ۔"[۱۶]

تو خدا خواہی دہم دنیای دون ایں خیال است و محال است و جنون

فرماتے ہیں : "اس واقعہ کے چند دن بعد میں تزکیۂ باطن کی خاطر سفر پر روانہ ہوا اور ہر ملک و شہر کا چکر لگایا ۔ جب میں وطن واپس آیا تو اچانک ایک بڑی وبا پھیل گئی جس کے نتیجے میں سوائے ایک فرزند محمد اسماعیل اور دو لڑکیوں کے تمام اہلِ خانہ اس وبا کی نذر ہو گئے ۔" فرماتے ہیں : "تمام بچے کم سن تھے ۔ میں بہت حیران و پریشان ہو گیا ۔ خود محنت و مشقت کرتا

۱۶- ایضاً ، ص ۶۴۰ - ۶۴۱ ۔

اور جو روپیہ دو روپیہ کماتا اُس سے گندم خریدتا اور خود چکی میں پیس کر بچوں کے کھانے پینے کا بندوبست کیا کرتا ۔" انہی دنوں کا ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں : ''ایک دن میں صحرا میں ایک مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص میرے پاس آیا اور سامنے بیٹھ کر پوچھا : 'تمھارا ذریعۂ معاش کیا ہے ؟' میں نے جواب دیا : 'محنت و مزدوری کر کے جو کچھ کماتا ہوں وہ اپنے بچوں پر خرچ کرتا ہوں ۔' یہ سن کر اُس نے چقماق کے ذریعے آگ جلائی ۔ اُس کے بعد اپنے تھیلے سے کچھ دوائی نکال کر آگ پر رکھ دی اور مس کا ایک ٹکڑا اُس کے اُوپر رکھ دیا ۔ وہ فوراً پگھل کر سفید چاندی میں تبدیل ہو گیا ۔ مجھے مخاطب ہو کر کہا : 'یہ ہنر سیکھو اور بلا محنت و مشقت اپنی روزی کماؤ ۔' میں نے جواب میں کہا : 'میں نے دنیا کو اپنے آپ سے علیحدہ کر دیا ہے اور تو دوبارہ اس بلائے عظیم میں مجھے مبتلا کرتا ہے ؟' زجر و تو بیخ کر کے اُس کو ہٹا دیا اور دوبارہ اپنے کام میں مشغول ہو گیا ۔''[۱۷]
طوبیٰ لمن تحلی بالعفاف و رضیی بالکفاف ۔[۱۸]

نمود و نمائش سے اجتناب ۔ حضرت سر الاعظمؒ شہرت و نمائش کی زندگی سے حد درجہ اجتناب کرتے تھے ۔ ایک زمانے میں اطراف و اکناف کے لوگ آپ کے پاس بہت سے تحائف و ہدایا لانے لگے اور احباب و اصحاب کے لیے طعام کا اہتمام بھی ہونے لگا ۔ آپ اسے حضرت سعدیؒ کے تصرف کا نتیجہ سمجھنے لگے ۔ چنانچہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی : ''من بہ طعام بخشی و آش دہی نام آوری نمی خواہم کہ در خلق شہرت یابم کہ فلانے کلان شیخ است و تا ایں قدر طعام بہ مردم می دہد و مرا آنچہ بر کار است یادِ حق است سبحانہٗ کہ طالبان بہ آن مشغول باشند خواہ گرسنہ باشند و یا از خالہٗ خود چیزی خورند''[۱۹] یعنی میں طعام بخشی اور لسی دینے کے ذریعے شہرت نہیں چاہتا

۱۷- ایضاً ، ص ۶۴۱ - ۶۴۲ -
۱۸- مرزا مہدی خان ، ''درہ نادرہ'' (طبع اول) ، ص ۶۹۰ ؛ ایضاً ، ص ۹۵۸ - (ترجمہ) خوش خبری ہے اُس کے لیے جس نے اپنے آپ کو زیور زہد سے آراستہ کیا اور گزارے کی روزی پر قناعت کی -
۱۹- میاں محمد عمر چمکنیؒ ، کتاب مذکور ، ص ۶۸۰ -

اور یہ کہ لوگوں میں مشہور ہو جاؤں کہ فلاں بڑا شیخ ہے اور اتنا طعام لوگوں کو دیتا ہے - مجھے جو چیز درکار ہے وہ یادِ حق ہے کہ طالبانِ حق اس میں مشغول ہوں ، خواہ وہ بھوکے ہوں یا اپنے گھر سے کھاتے ہوں -

کشوف و کرامات - حضرت سر الاعظمؒ کو اللہ تعالیٰ نے کشف و کرامات کے بلند مراتب پر سرفراز فرمایا تھا اور آپ کی کرامات کے واقعات بے حد و بے شمار ہیں - ''یکے از ہزاران'' کے مصداق آپ سے ایک کرامت یہ ظاہر ہوئی کہ خداوند تعالیٰ نے تین چیزوں کی احتیاج سے بے نیاز بنا دیا تھا — ایک یہ کہ پیدل چل کر خواہ کتنا ہی فاصلہ طے کرتے تھکن کی تکلیف بالکل محسوس نہ کرتے - دوم یہ کہ بھوک کا آپ پر قطعاً اثر نہ ہوتا تھا - سوم یہ کہ شدید سردی اور گرمی کے موسم میں آپ پر سردی اور گرمی کا کوئی اثر نہیں ہوتا تھا -[20]

آپ کی دوسری کرامت یہ ہے کہ باوجودیکہ آپ نے صرف قرآن پڑھ لیا تھا اور خط لکھنا بھی نہ جانتے تھے ، تاہم مشکل سے مشکل کتابوں کے پڑھنے پر قادر تھے - حضرت میاں صاحب چمکیؒ فرماتے ہیں : ''ایک دن آپ مسجد میں تشریف فرما تھے - میں بھی مجلس میں حاضر تھے - آپ 'شرح ملا جامیؒ' کی ورق گردانی کرتے تھے اور ایک ایک صفحے پر نظر ڈالتے تھے - کچھ دیر بعد حاضرین سے مخاطب ہو کر فرمایا : ''اگر شرح ملا گویم می توانم چہ آسان و سہل قصہ است''[21] یعنی اگر ''شرح ملا جامی'' پڑھوں تو پڑھ سکتا ہوں - کتنا آسان و سہل قصہ ہے !

آپ کی کرامت کا ایک لطیفہ - حضرت سر الاعظمؒ ایک واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں : ''میرے احباب میں سے ایک شخص نور الدین نامی تھا - وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ جب تک میرے ظاہر میں ذکر کا کوئی اثر نمودار نہ ہو جائے اس وقت تک اطمینان حاصل نہیں ہوتا - میں نے اسے کئی بار سمجھایا کہ ہمارا طریقہ خفیہ ہے اور اس میں ہر ذکر بطریقِ اخفا عمل میں لایا جاتا ہے تا کہ نصِ قرآنی 'و اذکر ربک تضرعاً و خیفۃ' پر عمل ہو - میرے سمجھانے کے باوجود وہ اس کے لیے تیار نہ تھے - آخر کار ایسا ہوا کہ ذکرِ

۲۰- ایضاً ، ص ۲۱۷ - ۲۱۸ -   ۲۱- ایضاً ، ص ۲۳۸ -

قلبی کے ساتھ دائمی طور پر اس کے سر و گردن حرکت کرنے لگے ۔ اس کے اس حال کا جب ہر جگہ چرچا ہوا تو ایک روز ہمارا ایک رفیق شیخ ہندال جولاہا تھوڑا سا صابن بہ طور ہدیہ میری والدہ کے پاس لایا اور درخواست کی : 'حضرت سر الاعظمؒ سے میری سفارش کیجیے کہ مجھے یہی ذکر قلبی کافی ہے اور نور الدین کی طرح سر و گردن کی حرکت درکار نہیں' کیونکہ میں جولاہا ہوں اور سر و گردن کی حرکت سے میرا کام بہت متاثر ہو جائے گا ۔' اس طرح وہ ہمارے احباب میں سے جس کسی کے ساتھ ملتا اپنے حق میں اس سفارش کی درخواست کرتا ۔''[۲۲]

وفات ۔ آپ نے تمام عمر گراں مایہ دین متین کی ترویج و اشاعت اور خلق خدا کے ارشاد و ہدایت پہ گزاری اور ہزاروں بندگان خدا کے تاریک سینے آپ کے طفیل نور معرفت سے منور ہوئے ۔ آپ ۱۱۲۶/۱۷۱۴[۲۳] سے پہلے واصل الی اللہ ہوئے اور آپ کا مزار موضع اٹک (ضلع کیمبل پور) میں دریائے اٹک کے کنارے مرجع خاص و عام ہے ۔

اولاد ۔ حضرت سر الاعظمؒ کا اپنا بیان ہے کہ ایک وبا کے نتیجے میں ایک فرزند محمد اسماعیل اور دو صاحب زادیوں کے علاوہ تمام اہل خانہ اللہ کو پیارے ہو چکے تھے ۔ مولانا محمد اسماعیلؒ اپنے والد بزرگوار کے نہایت مقبول اور منظور نظر تھے اور آپ کے جملہ ظاہری اور باطنی کمالات سے آراستہ تھے ۔ حضرت سر الاعظمؒ مولانا اسماعیلؒ کی تربیت کا بے حد اہتمام فرماتے تھے ۔ حضرت میاں صاحب چمکنیؒ لکھتے ہیں : ''حضرت سر الاعظمؒ مدام متوجہ احوال مولانا

۲۲- ایضاً ۔

۲۳- کچھ تذکرہ نگار حضرات نے آپ کی تاریخ وفات ۱۱۳۱/۱۷۱۸ بتائی ہے ۔ راقم الحروف کے نزدیک یہ درست نہیں کیونکہ مولانا محمد غوث قادریؒ ، جن کی ملاقات حضرت سر الاعظمؒ کے ساتھ ثابت ہے ، ۱۱۲۶ھ میں اپنی کتاب ''رسالہ غوثیہ'' میں لکھتے ہیں : ''شیخ یحییٰ از افراد زمانہ بودند ۔ ۔ ۔ ۔ ذکر قلبی در صحبت ایشان غالب بود و حبس نفس بسیار می کردند و در ورع و ریاضت ممتاز بودند ۔'' اس عبارت میں مولانا موصوف نے شیخ محمد یحییٰؒ کے لیے ماضی کے صیغے استعمال کیے ہیں ، جو اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آپ ۱۱۲۶ھ سے پہلے پہلے رحلت کر گئے تھے ۔ و اللہ اعلم !

محمد اسماعیل می باشند و ظاہر و باطن ایشان را از مبادی عمر از آنچہ نہ باید و نہ شاید مصئون و محفوظ داشتہ اند"[۲۴] یعنی حضرت سر الاعظم ہمیشہ مولانا محمد اسماعیل کی طرف متوجہ رہتے ہیں اور ابتدا ہی سے آپ کے ظاہر و باطن کو تمام نازیبا و ناشائستہ امور سے محفوظ و مامون رکھا ہے۔

مولانا دلدار بیگ فرماتے ہیں: "حضرت سر الاعظم ہمیشہ واقف و مطلع بر احوال مولانا محمد اسماعیل می باشند و پیوستہ ایشان را در ظل توجہات خود تربیت می نمایند"[۲۵] یعنی حضرت سر الاعظم ہمیشہ مولانا محمد اسماعیل کے احوال سے اپنے آپ کو باخبر رکھتے ہیں اور مسلسل اُن کو اپنی توجہ اور التفات کے سایے میں تربیت دیتے ہیں۔ حضرت مولانا محمد اسماعیل نہایت متواضع اور منکسر المزاج شخصیت کے مالک تھے۔ فقرا اور درویشوں کے ساتھ نہایت محبت و شفقت کا سلوک کرتے اور ہر وقت اُن کی خدمت میں مصروف رہتے تھے۔[۲۶]

۲۴- ایضاً، ص ۵۵ے۔

۲۵، ۲۶- ایضاً۔ کچھ تذکرہ نگار حضرات نے آپ کے ایک اور صاحب زادے کی نشان دہی کی ہے اور اس کا نام محمد عیسیٰ بتایا ہے۔ کسی مستند ذریعہ سے اس کی تصدیق نہ ہو سکی۔ اگر یہ نام صحیح ہے تو یقیناً زمانۂ خورد سالی میں مذکورہ وبا میں فوت ہو چکے ہوں گے۔ و اللہ اعلم!

اقبال کے خطوط جناح کے نام اشاعت کی کہانی

محمد جہانگیر عالم

اقبالیات اور تحریکِ پاکستان کے شائقین کے لیے "اقبال کے خطوط جناح کے نام" (*Letters of Iqbal to Jinnah*) کا مطالعہ بڑا دلچسپ اور اہم ہے، کیونکہ یہ خطوط پاکستان کی اساس کا تعین ہی نہیں کرتے بلکہ اس وقت کے حالات اور واقعات کے متعلق علامہ اقبال کے نقطۂ نگاہ کی وضاحت بھی کرتے ہیں ۔ یہ خطوط ایسے وقت لکھے گئے تھے جب ہندوستانی مسلمان اپنی تاریخ کے ایک نازک دور سے گزر رہے تھے ۔ برصغیر میں مسلمانوں کے سیاسی مستقبل کا مسئلہ فیصلہ کن مرحلے میں داخل ہو رہا تھا ۔ اس فکری انتشار کے زمانے میں علامہ اقبال کی سیاسی بصیرت نے منزل کی نشان دہی کی اور اس کے راستوں کو روشن کیا ۔ یہ خطوط ایک طرح سے خطبۂ الہ آباد کے اجمال کی تفصیل ہی ہیں ۔ ان خطوط میں برصغیر کے دستوری مسائل ، مسلم لیگ کی تنظیمِ نو ، مسلم ایشیا کے مستقبل ، برصغیر کے مسلمانوں کے لیے ایک جدا گانہ مملکت کا قیام اور اس میں اسلامی شریعت کے نفاذ کے بارے میں علامہ اقبال نے کھل کر اظہارِ خیال کیا ہے ۔ تحریکِ پاکستان کے پس منظر اور پاکستان کی نظریاتی بنیادوں کو اچھی طرح سمجھنے کے لیے ان خطوط کا مطالعہ بڑی اہمیت رکھتا ہے ۔

سب سے پہلی دفعہ "اقبال کے خطوط جناح کے نام" انگریزی میں لاہور کے مشہور و معروف ناشر شیخ محمد اشرف نے اپریل ۱۹۴۳ء میں شائع کیے ۔ اسی سال یہ خطوط ادارۂ اشاعتِ اُردو ، حیدر آباد (دکن) ، کے زیرِ اہتمام اُردو زبان میں بھی شائع ہوئے ۔ اس کے بعد یہ خطوط متعدد بار شائع ہونے کے علاوہ ہندوستان

کی دوسری زبانوں مثلاً بنگالی اور تامل وغیرہ میں بھی شائع ہوئے ۔ ان خطوط کی اشاعت کی کہانی کا مطالعہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے ۔

''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کی دریافت اور اشاعت کا سہرا جناب محمد شریف طوسی کے سر ہے ۔ آپ ان دنوں (دسمبر ۱۹۴۲ تا مئی ۱۹۴۳) بمبئی میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کے ذاتی کتب خانے (لائبریری) میں اپنی کتاب (1906-42) *Pakistan Movement* کی تیاری کے لیے مواد تلاش کر رہے تھے کہ قائدِ اعظم محمد علی جناح کے نام برصغیر کے مختلف رہنماؤں کے لکھے ہوئے خطوط آپ کے ہاتھ لگے ۔ آپ نے ان کی چھان بین کر کے ہر ایک رہنما کے خطوط الگ الگ کیے ۔ ان میں علامہ اقبال کے خطوط بھی تھے جو اُنھوں نے مئی ۱۹۳۶ سے نومبر ۱۹۳۷ کے درمیانی عرصے میں قائدِ اعظم کے نام لکھے تھے ۔ آپ نے ان تمام خطوط کو جو کہ تعداد میں تیرہ تھے ترتیب دے کر ٹائپ کیا ۔ پھر اُنھیں قائدِ اعظم کے حضور پیش کیا کہ ان خطوط کی اشاعت کا بندوبست ہونا چاہیے ۔ ابتدا میں قائدِ اعظم نے ان کی اشاعت پر کچھ تامل کیا لیکن محمد شریف طوسی نے قائدِ اعظم پر واضح کیا کہ یہ خطوط برصغیر کے مسلمانوں کے نقطۂ نگاہ سے تاریخی اہمیت کے حامل ہیں اور ان کی اشاعت سے ملک بھر میں اور خصوصاً پنجاب میں مسلم لیگ کی مقبولیت میں اضافہ ہوگا ۔ اس خط کی طرف اشارہ کرتے ہوئے جس میں علامہ اقبال نے قائدِ اعظم کو لکھا تھا کہ ''اس وقت جو طوفان شمال مغربی ہندوستان اور شاید پورے ہندوستان میں برپا ہونے والا ہے ، اس میں صرف آپ ہی کی ذاتِ گرامی سے قوم محفوظ رہنمائی کی توقع کا حق رکھتی ہے ،'' اُنھوں نے کہا کہ اس سے نہ صرف تحریکِ پاکستان کو مقبولیت حاصل ہوگی بلکہ اس سے ایک تازہ ولولہ ملے گا ۔[1]

قائدِ اعظم محمد علی جناح ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کی اشاعت پر رضا مند ہوگئے ۔ چنانچہ ان کی اشاعت کے لیے یہ مناسب خیال کیا گیا کہ علامہ اقبال کے خطوط کے جواب میں جو خطوط قائدِ اعظم نے تحریر کیے تھے ان کو بھی ان کے ساتھ شائع کیا جائے ۔ اس سلسلے میں قائدِ اعظم نے بمبئی سے ۲۸ جنوری ۱۹۴۳ کو لاہور میں میاں بشیر احمد ، ایڈیٹر ''ہمایوں'' ، کو

۱- ایم - ایس - طوسی : *My Reminiscences* (کراچی ، ۱۹۷۶) ، ص ۱۱ -

لکھا کہ علامہ اقبال کے خطوط کے جواب میں اُنھوں نے جو خط لکھے تھے ان کو تلاش کروا کے ارسال کر دیں ۔ ۱۵ فروری ۱۹۴۳ کو دوبارہ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے میاں بشیر احمد کو لکھا کہ ان خطوط کی اشاعت سے مسلم عوام کی بڑی خدمت ہوگی اور خصوصاً اس مقصد کو جس کے لیے ہم سب لڑ رہے ہیں ۔ میاں بشیر احمد نے ۲۲ فروری ۱۹۴۳ کو قائدِ اعظم کو جواب دیا کہ علامہ اقبال کے ترکے کے نگران چوہدری محمد حسین ان کے خطوط تلاش کرنے میں ناکام رہے ہیں ۔ لہٰذا اب ان خطوط کو قائدِ اعظم محمد علی جناح اپنے تبصرے کے ساتھ یا اس کے بغیر شائع کرا دیں ۔۲

لاہور کے مشہور و معروف ناشر شیخ محمد اشرف کی خدمات اس سلسلے میں بڑی نمایاں ہیں کہ اُنھوں نے قیامِ پاکستان سے پہلے اسلام اور تحریکِ پاکستان کے موضوع پر بہت زیادہ کتابیں شائع کیں جب کہ اس زمانے میں اشاعت کا کام مالی طور پر اتنا زیادہ منفعت بخش نہیں تھا جتنا کہ اب ہے ۔ بہرحال تحریکِ پاکستان کی نشر و اشاعت کے سلسلے میں شیخ محمد اشرف کی خدمات کا اعتراف ہمیں دل سے کرنا چاہیے ۔ اُنھوں نے مخصوص دائرہ کار میں کام کرتے ہوئے قیامِ پاکستان کی جد و جہد میں ایک نمایاں کردار ادا کیا ہے ۔ ان دنوں شیخ محمد اشرف ''محمد علی جناح ـــــ ایک سیاسی مطالعہ'' (*Mohammad Ali Jinnah : A Political Study*) از سید مطلوب الحسن کی اشاعت کا انتظام کر رہے تھے اور ان کا قائدِ اعظم محمد علی جناح سے رابطہ تھا ۔ اسی سلسلے میں شیخ محمد اشرف مارچ ۱۹۴۳ کے آخری ہفتے میں قائدِ اعظم سے دہلی میں ملے ۔ اس ملاقات میں دیگر امور کے علاوہ قائدِ اعظم نے ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کی اشاعت کا کام شیخ محمد اشرف کے سپرد کیا اور معاملہ اس طرح طے پایا کہ ان خطوط کا پہلا ایڈیشن تین ہزار کی تعداد میں چھاپا جائے گا اور اس کی رائلٹی شیخ محمد اشرف مبلغ تین سو روپے یک مشت ادا کریں گے ۔ یہ رقم مسلم لیگ کے فنڈ کے لیے عطیہ ہوگی ۔

۲۷ مارچ ۱۹۴۳ کو قائدِ اعظم محمد علی جناح نے ان خطوط کی اشاعت کے

۲- جمیل الدین احمد : *Quaid-e-Azam As Seen by His Contemporaries* (لاہور ، ۱۹۶۶) ، ص ۱۷ ۔

بارے میں شیخ محمد اشرف کو لکھا کہ جیسا کہ پچھلے دنوں اُنھوں نے ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' شائع کرنے پر رضا مندی کا اظہار کیا تھا کہ وہ ''پہلا ایڈیشن تین ہزار کی تعداد میں چھپوائیں گے اور اس کے لیے رائلٹی کے طور پر مبلغ تین سو روپے یک مشت ادا کریں گے ، لہٰذا اس رقم کا چیک ارسال کر دیں ۔ یہ خطوط مع پیش لفظ کے ارسال ہیں ۔'' قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اس خط میں وضاحت کر دی کہ یہ انتظام صرف پہلے ایڈیشن کے لیے ہے اور اس ایڈیشن میں صرف تین ہزار کاپیاں چھپوائی جائیں گی اور اُمید ظاہر کی کہ ان کی اشاعت خوب صورت طریق پر ہوگی اور اس کے صفحہ اول پر علامہ اقبال کی ایک اچھی سی تصویر کا بھی انتظام کیا جائے گا ۔ ان خطوط کی ایک سو کاپیاں اعزازی طور پر قائدِ اعظم کو ارسال کی جائیں گی ۔ طباعت کے بارے میں قائدِ اعظم نے خط کے آخر میں پھر لکھا کہ اس سلسلے میں اُنھیں مزید کچھ کہنے کی ضرورت نہیں کیونکہ وہ خود اس کے ماہر ہیں اور اُنھیں توقع ہے کہ وہ ان خطوط کو بڑے خوب صورت انداز پر طبع کرائیں گے ۔

۲۷ مارچ ۱۹۴۳ ہی کو شیخ محمد اشرف نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کی خدمت میں ایک خط لکھا جس میں تحریر کیا کہ اقبال کے خطوط کی ''اشاعت کے لیے معاہدہ کا مسودہ مع تین سو روپے کے ڈرافٹ کے ارسالِ خدمت ہے ۔ معاہدہ کی ایک نقل دستخط کے بعد واپس کر دیں ۔'' خطوطِ اقبال کے لیے ان کے تجویز کردہ نام کے صحیح الفاظ اُنھیں یاد نہیں رہے ۔ لہٰذا وہ معاہدہ کے مسودے میں خالی جگہ پر نام لکھ دیں اور توقع ظاہر کی کہ اُنھوں نے ان خطوط کے تعارف کے طور پر پیش لفظ لکھ دیا ہوگا ۔[۳] ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کے لیے پیش لفظ کا مسودہ محمد شریف طوسی نے تیار کیا تھا ۔ ٹائپ کرنے کے بعد اسے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے سامنے پیش کیا ۔ اُنھوں نے اس میں معمولی سی ترمیم و تنسیخ کے بعد اس کی منظوری دے دی ۔ پیش لفظ کا یہ مسودہ محمد شریف طوسی کے پاس محفوظ ہے ۔[۴]

۳- سید شمس الحسن ، *Plain Mr. Jinnah* (کراچی ، ۱۹۷۶) ، ص ۱۶۳ - ۱۶۵ -

۴- ایم - ایس - طوسی ، کتاب مذکور ، ص ۱۲ -

۳۱ مارچ ۱۹۴۳ کو قائدِ اعظم محمد علی جناح نے شیخ محمد اشرف کے خط محررہ ۲۷ مارچ ۱۹۴۳ کے جواب میں تحریر کیا کہ اُنھیں ان کا خط مل گیا ہے جس میں مبلغ تین سو روپے کا بنک ڈرافٹ اور معاہدہ کا مسودہ تھا ۔ معاہدے کی ایک نقل بھی واپس بھیج دی گئی ۔ خطوطِ اقبال کا نام *Letters of Iqbal to Mr. Jinnah* مناسب ہے ۔ ۳۱ مارچ ۱۹۴۳ ہی کو شیخ محمد اشرف نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کے خط محررہ ۲۷ مارچ ۱۹۴۳ کا جواب دیا جس میں تحریر کیا کہ اُنھیں خطوطِ اقبال مع پیش لفظ مل گئے ہیں اور دریافت کیا کہ اس کتابچے کا نام کیا ہو ۔ اس کتابچے کی قیمت کے بارے میں شیخ محمد اشرف نے اس خط میں لکھا کہ وہ حساب کتاب کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ کتابچے کی قیمت صرف آٹھ آنے کم رہے گی ۔ اس لیے ان کے خیال میں اس کی قیمت بارہ آنے ہونی چاہیے اور اس ضمن میں قائدِ اعظم کی اجازت چاہی ۔ ۴ اپریل ۱۹۴۳ کو قائدِ اعظم نے شیخ محمد اشرف کو جواب دیا کہ خطوطِ اقبال کے کتابچے کا نام *Letters of Iqbal to Mr. Jinnah* ہو اور اگر وہ مناسب خیال کرتے ہیں تو اس کی قیمت آٹھ آنے کے بجائے بارہ آنے رکھ لیں ۔

۱۲ اپریل ۱۹۴۳ کو شیخ محمد اشرف نے قائدِ اعظم کو اطلاع دی کہ ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' زیرِ طبع ہیں اور اُمید ظاہر کی کہ اس ہفتے کے آخر تک کتاب تیار ہو جائے گی ۔ اپریل ۱۹۴۳ میں کتاب چھپ کر مارکیٹ میں فروخت کے لیے پہنچ گئی ۔ کتاب کی نکاسی بڑی تیزی کے ساتھ ہوئی ۔ چنانچہ ۳۱ دسمبر ۱۹۴۳ کو شیخ محمد اشرف نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو خط کے ذریعے اطلاع دی کہ ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کی فروخت بڑی اچھی ہو رہی ہے ۔ اس کے جواب میں قائدِ اعظم نے ۱۹ جنوری ۱۹۴۴ کو تحریر کیا کہ اُنھیں یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ خطوطِ اقبال کی فروخت اچھی ہو رہی ہے ۔

مارچ ۱۹۴۴ تک ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کا پہلا ایڈیشن ختم ہو گیا ۔ چنانچہ ۳۱ مارچ ۱۹۴۴ کو شیخ محمد اشرف نے قائدِ اعظم محمد علی جناح کو لکھا کہ ''ان ہی شرائط پر جن پر پہلے معاہدہ ہوا تھا ، اقبال کے خطوط کا دوسرا ایڈیشن شائع کرنے کی اجازت عنایت فرمائیے ۔ مبلغ تین سو روپے کا چیک ارسالِ خدمت ہے ۔'' اس کے جواب میں قائدِ اعظم نے ۸ اپریل ۱۹۴۴ کو شیخ

محمد اشرف کو تحریر کیا کہ انھیں ان کا خط مع تین سو روپے کی مالیت کا چیک مل گیا ہے اور وہ رضا مند ہیں کہ خطوطِ اقبال کا دوسرا ایڈیشن تین ہزار کی تعداد میں شائع کر لیں اور اس کی شرائط وہی ہوں گی جو پہلے ایڈیشن کے لیے ۲۷ مارچ ۱۹۴۳ کے معاہدے میں طے ہو چکی ہیں - ۸ اپریل ۱۹۴۴ کو شیخ محمد اشرف نے دوبارہ قائدِ اعظم محمد علی جناح سے درخواست کی کہ براہِ کرم ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کے دوسرے ایڈیشن کی اجازت مرحمت فرمائیں - ۱۰ اپریل ۱۹۴۴ کو قائدِ اعظم نے اس کے جواب میں دہلی سے لکھا کہ وہ ان کے خط محررہ ۸ اپریل ۱۹۴۴ کے لیے ممنون ہیں اور وہ پہلے ہی ان کو اقبال کے خطوط کی اشاعت کی اجازت کے بارے میں لکھ چکے ہیں -[۵]

''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کے دوسرے ایڈیشن میں علامہ اقبال اور قائدِ اعظم محمد علی جناح کی تصاویر بھی تھیں - اس کے بعد یہ کتاب متعدد بار (انگریزی میں) شائع ہوئی - تیسرا ایڈیشن ۱۹۵۶ میں شائع ہوا - اس کے بعد ۱۹۶۳ ، ۱۹۷۴ میں بھی شائع ہوئی - ساتویں بار ۱۹۷۸ میں شائع ہوئی -[۶]

''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کی اشاعت سے قبل ہی قائدِ اعظم محمد علی جناح کو ان خطوط کے ترجمے کی اشاعت کے لیے کئی فرمائشیں موصول ہوئیں - اسی طرح کی ایک فرمائش شیخ عطاء اللہ ، استاد معاشیات ، مسلم یونیورسٹی ، علی گڑھ ، کی طرف سے آئی - انھوں نے ۱۹ فروری ۱۹۴۳ کو قائدِ اعظم کے نام اپنے خط میں لکھا کہ وہ خطوطِ اقبال کا ایک مجموعہ ''اقبال نامہ'' کے نام سے شائع کرا رہے ہیں - ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کو ان میں شامل کرنے کی اجازت چاہیے - اس خط کا جواب قائدِ اعظم کی طرف سے محمد شریف طوسی (جو کہ ان دنوں M R T کے قلمی نام سے مضامین لکھتے تھے اور قائدِ اعظم کے ہاں اپنی کتاب کے سلسلے میں کام کر رہے تھے) نے دیا کہ ان خطوط کی اشاعت کا انتظام ہو گیا ہے - اس لیے ان خطوط کی نقل ارسال نہیں کی جا رہی -

اپریل ۱۹۴۳ میں جب ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' انگریزی زبان میں شائع ہو گئے تو پھر شیخ عطاء اللہ نے ۱۸ اپریل کو خط لکھا اور ملاقات کی

۵- سید شمس الحسن ، کتاب مذکور ، ص ۱۶۵ - ۱۷۳ -
۶- شیخ محمد اشرف کا خط راقم الحروف کے نام -

درخواست کی تا کہ بالمشافہ بات چیت کرکے ان خطوط کی اُردو میں اشاعت کی اجازت حاصل کریں - ۱۹ اپریل ۱۹۴۳ کو قائدِ اعظم محمد علی جناح نے جواب دیا کہ وہ ان دنوں مسلم لیگ کے اجلاس کے سلسلے میں خاصے مصروف ہیں ۔ اجلاس کے بعد ملاقات ہو سکے گی - اس طرح یہ معاملہ کچھ وقت کے لیے کھٹائی میں پڑ گیا ۔

یکم نومبر ۱۹۴۳ کو شیخ عطاء اللہ نے دوبارہ اس معاملے کے بارے میں قائدِ اعظم کو خط لکھا ۔ اس کے جواب میں قائدِ اعظم نے ۹ نومبر ۱۹۴۳ کو خط لکھا کہ ان خطوط کی انگریزی زبان میں اشاعت کے لیے اُنھوں نے ایک ناشر سے معاملہ طے کر لیا ہے ۔ وہ ان خطوط کا اُردو ترجمہ ان کی کتاب ''اقبال نامہ'' میں شامل کرنے کی اجازت دینے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ وہ مبلغ تین سو روپے یک مشت بطور رائلٹی اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن پر دینے کے لیے تیار ہوں ۔ نئے ایڈیشن کے لیے بھی اسی طرح کی شرائط ہوں گی ۔ قائدِ اعظم محمد علی جناح نے اپنے خط میں یہ بھی تحریر کیا کہ وہ یہ رقم اپنی ذات کے لیے نہیں مانگ رہے بلکہ یہ رقم عطیہ کے طور پر مسلم لیگ کے فنڈ میں جمع ہوگی ۔ شیخ عطاء اللہ ان شرائط پر ان خطوط کو شائع کرنے پر رضا مند نہ ہوئے اور اُنھوں نے ۱۲ نومبر ۱۹۴۳ کو قائدِ اعظم کو لکھ دیا کہ ان کی کتاب کی نکاسی کے امکانات ایسے نہیں ہیں کہ وہ اس سلسلے میں کوئی مالی بار برداشت کر سکیں ۔

اسی طرح کی ایک فرمائش ۴ ستمبر ۱۹۴۳ کو باغبان پورہ لاہور سے عفت مقصود نے کی کہ اسے ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' اُردو میں شائع کرنے کی اجازت دی جائے ۔ اس کے جواب میں قائدِ اعظم نے اسے ۱۰ ستمبر ۱۹۴۳ کو لکھا کہ وہ ان خطوط کے اُردو ترجمہ کی اشاعت کی اجازت دینے کے لیے تیار ہیں بشرطیکہ وہ اس کی رائلٹی کے طور پر ایک معقول رقم مثلاً مبلغ تین سو روپے یک مشت پہلے ایڈیشن کے لیے جو تین ہزار کی تعداد کا ہوگا دینے کے لیے تیار ہے ۔ قائدِ اعظم نے اس خط میں یہ بھی لکھا کہ اُنھیں اس رقم کی سخت ضرورت ہے ۔ یہ رقم اُنھیں اپنی ذات کے لیے نہیں چاہیے بلکہ یہ رقم بطورِ عطیہ مسلم لیگ کے فنڈ میں جمع ہوگی ۔ آئندہ اشاعت کے لیے بھی اسی

قسم کی شرائط ہوں گی ۔ اگر وہ رضا مند ہوں تو براہ کرم اطلاع دیں ۔[۷] لیکن یہاں بھی بات آگے نہ بڑھ سکی ۔

''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' سب سے پہلی بار اُردو میں ادارۂ اشاعتِ اُردو ، عابد روڈ ، حیدر آباد (دکن) ، سے ستمبر ۱۹۴۳ میں شائع ہوئے ۔ اُردو ترجمہ سید مشتاق احمد چشتی کا تھا ۔ حیران کن بات یہ ہے کہ کتابیاتِ اقبال کے متعلق اب تک جتنی کتابیں شائع ہوئی ہیں ان میں کسی ایک کتاب میں بھی سید مشتاق احمد چشتی کے ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کے اُردو ترجمے کا ذکر تک نہیں ہے ۔ اس کے بعد عبدالرحمٰن سعید نے ان خطوط کا اُردو ترجمہ کیا جو کہ حیدر آباد دکن ہی سے شائع ہوا ۔ اس ترجمے کے اب تک تین چار ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں ۔

یہاں میں ایک بات کی وضاحت کرنا ضروری سمجھتا ہوں ۔ وہ یہ ہے کہ عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کا سب سے پہلا اُردو ترجمہ عبدالرحمٰن سعید کا ہے ۔ میرا خیال ہے کہ یہ بات درست نہیں ۔ ان خطوط کا سب سے پہلا اُردو ترجمہ سید مشتاق احمد چشتی کا ہے ۔ یہ ترجمہ ستمبر ۱۹۴۳ میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کی اجازت کے بغیر شائع ہوا ۔ یہ اس طرح ظاہر ہے کہ قائدِ اعظم نے ۶ نومبر ۱۹۴۳ کو شیخ عطاء اللہ کے خط کے جواب میں لکھا تھا کہ اُنھوں نے صرف انگریزی زبان میں ان خطوط کی اشاعت کا معاملہ ایک ناشر سے طے کیا ہوا ہے ۔ عبدالرحمٰن سعید نے خطوطِ اقبال کا ترجمہ قائدِ اعظم کی اجازت سے کیا تھا ۔ یہ اس طرح واضح ہوتا ہے کہ ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ کو قائدِ اعظم نے ایک خط کے جواب میں لکھا کہ انگریزی اور اُردو میں ان خطوط کی اشاعت کے لیے ان کا دو پارٹیوں سے معاملہ طے ہو چکا ہے ۔ اس وقت تک ان خطوط کے صرف یہی دو اُردو ترجمے شائع ہوئے تھے ۔ ظاہر ہے ان میں سے کسی ایک کے ساتھ ہی قائدِ اعظم کا معاملہ طے ہوا تھا اور وہ عبدالرحمٰن سعید ہی ہو سکتے ہیں ، کیونکہ ان ہی کا ترجمہ بارہا شائع ہوا جب کہ مشتاق احمد چشتی کا ترجمہ دوسری بار شائع نہ ہو سکا ۔

۷۔ سید شمس الحسن ، کتاب مذکور ، ص ۱۸۰ - ۱۸۱ ۔

۱۲ اکتوبر ۱۹۴۵ کو ایس - ایم - بذل الحق نے قائدِ اعظم محمد علی جناح سے ان خطوط کے بنگالی ترجمہ شائع کرنے کی اجازت چاہی ، جس کے جواب میں قائدِ اعظم نے ۱۱ نومبر ۱۹۴۵ کو اُنھیں لکھا کہ وہ ان خطوط کا بنگالی زبان میں ترجمہ شائع کر سکتے ہیں - اسی طرح ۱۷ اکتوبر ۱۹۴۵ کو کے - ایم - یوسف نے قائدِ اعظم سے درخواست کی کہ اُنھیں ان خطوط کا ترجمہ تامل زبان میں شائع کرنے کی اجازت دیں ، جس کے جواب میں قائدِ اعظم نے ۳۰ دسمبر ۱۹۴۵ کو لکھا کہ اُنھیں ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' کو تامل زبان میں شائع کرنے پر کوئی اعتراض نہیں -۸

قیامِ پاکستان کے بعد ''اقبال کے خطوط جناح کے نام'' انگریزی کے علاوہ اُردو میں بھی متعدد بار شائع ہوئے - ''اقبال نامہ'' ، حصہ دوم ، مرتبہ شیخ عطاء اللہ میں یہ خطوط شامل ہیں - اس کے علاوہ ان خطوط کا اُردو ترجمہ پروفیسر احمد سعید کی کتاب ''اقبال اور قائدِ اعظم'' اور محمد حنیف شاہد کی کتاب ''علامہ اقبال اور قائدِ اعظم کے سیاسی نظریات'' میں بھی شامل ہے - ''ماہِ نو'' کے علاوہ ملک کے دوسرے رسائل میں بھی بارہا یہ خطوط شائع ہو چکے ہیں - دسمبر ۱۹۴۶ میں ان خطوط کا اُردو ترجمہ پروفیسر حمید اللہ شاہ ہاشمی نے کیا جو فیصل آباد سے شائع ہوا - سالِ اقبال ۱۹۷۷ میں راقم الحروف نے بھی ان خطوط کا اُردو ترجمہ مع حواشی تیار کیا - اس کے ساتھ ان خطوط کے مباحث پر ایک مقدمہ بھی تحریر کیا -

---

۸- ایضاً ، ص ۱۸۰ - ۱۸۲ -

اقبال اکادمی پاکستان ، لاہور

کی

چند مطبوعات

(1) تصورات عشق و خرد (اقبال کی نظر میں)

از ڈاکٹر وزیر آغا -/35 روپے

(2) اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ

از ڈاکٹر عبدالشکور احسن -/68 "

(3) اقبال اور قائد اعظم — از احمد سعید -/22 "

(4) اقبال کی ما بعدالطبیعیات

مترجمہ ڈاکٹر شمس الدین صدیقی -/18 "

(5) سر گذشتِ اقبال — از ڈاکٹر عبد السلام خورشید -/73 "

(6) کتابیاتِ اقبال — مرتبہ پروفیسر رفیع الدین ہاشمی -/40 "

(7) منتخب کلامِ اقبال (نئی نسل کے لئے)

مرتبہ ڈاکٹر عبد الوحید -/31 "

(8) ملفوظاتِ اقبال — مرتبہ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی -/70 "

(9) معاصرین اقبال کی نظر میں — از محمد عبداللہ قریشی -/45 "

(10) اقبال کی صحبت میں — از ڈاکٹر عبداللہ چغتائی -/54 "

(11) اقبال اور محبتِ رسول — از ڈاکٹر محمد طاہر فاروقی -/32 "

(12) اقبال اور قرآن — از ڈاکٹر غلام مصطفیٰ -/90 "

(13) اقبال اور علمائے پاک و ہند — از اعجاز الحق قدوسی -/42 "

(14) اقبال اور مسئلۂ تعلیم — از محمد احمد خاں -/71 "

(15) ''دانائے راز'' سوانح حیات حکیم الامت علامہ اقبالؒ

از سید نذیر نیازی -/45 "

مکمل فہرست کتب (مفت) حاصل کرنے کے لئے مندرجہ ذیل پتے پر خط لکھیں -

ناظم ، اقبال اکادمی پاکستان

90 بی - 2 گلبرگ III ، لاہور

اخبار ''ایمان'' میں علامہ اقبال کا ذکر

منظور الحق صدیقی

مرکزی سیرت کمیٹی (پٹی ، ضلع لاہور) کے ترجمان پندرہ روزہ ''ایمان'' کی فائلوں کی ورق گردانی کرتے وقت علامہ اقبال سے متعلق بعض ایسی باتوں کا علم ہوا جو عام نہیں ہوئیں - ہم انہیں یہاں لفظ بلفظ نقل کرتے ہیں :

(۱) **غازی نادر شاہ کی مالی امداد** - ۱۹۲۵ میں امرتسر میں ڈاکٹر سیف الدین کچلو نے ''تنظیم'' کے نام سے ایک کل ہند جماعت قائم کی - اس کے نائب سکرٹری مولانا عبدالمجید قرشی نے انجمن کے لیے صرف تین ماہ میں دس ہزار روپیہ جمع کیا - یہ انجمن ۱۹۲۸ میں ختم ہو گئی - قرشی موصوف ''ایمان'' ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۹ ، ص ۷ ، کالم ۱ میں لکھتے ہیں :

''دس ہزار روپیہ جو میں نے جمع کیا تھا وہ نصفا نصفی مسلم بنک امرتسر اور دی سنٹرل کو آپریٹو بنک امرتسر میں میرے نام محفوظ تھا - مسلم بنک کا روپیہ ایک ایک معطی کی منظوری کے بعد ڈاکٹر اقبال مرحوم نے غازی نادر شاہ مرحوم کی امداد کے لیے افغانستان بھیج دیا اور کو آپریٹو بنک کا روپیہ تنظیم یتیم خانہ امرتسر کو دے دیا گیا -''

(۲) **علامہ اقبال سیرت کمیٹی کے جلوس میں** - ''ڈاکٹر اقبال جالندھر کے جلسے اور جلوس میں شریک تھے - آپ نے تقریر کرتے ہوئے فرمایا : چند سال ہوئے میں نے خواب میں دیکھا تھا کہ خدا تعالیٰ مولود شریف کے ذریعے سے اس اُمت کو متحد کرے گا - مجھے ایک عرصے تک حیرت رہی کہ یہ واقعہ کس طرح رونما ہوگا - اب تحریکِ یوم النبی نے اس خواب کی تعبیر کو حقیقی طور پر نمایاں کر دیا'' (''ایمان'' ، ۱۱/م مئی ۱۹۳۵ ، ص ۶ ، کالم ۳) -

(۳) مرکزی سیرت کمیٹی کو پیغام - ''ایمان'' کی ۴/۱۱ مئی ۱۹۳۵ عی کی اشاعت کے صفحہ ۱۰ پر درج ہے :

''تحریک اتحاد نہایت مبارک ہے اور حضور رسالت مآب کی سیرت پاک کی اشاعت اس تحریک کو عملی صورت دینے کا بہترین ذریعہ ہے - مجھے یقین ہے کہ مسلمانوں کے موجودہ انتشار و تشتت کی حالت میں یہ تحریک نہایت موثر ہوگی :
فرد از حق ، ملت از وے ، زندہ است   از شعاع مہر او تابندہ است''

(۴) علامہ کے گھر پر ایک غیر مسلم مشرف باسلام ہوا - ''لاہور ، ۲۱ جون - علامہ سر محمد اقبال کے دولت کدے پر پی - ڈبلیو - ڈی - سکرٹریٹ کے سپرنٹنڈنٹ مسٹر جے - ارٹون مولانا عبدالمنان صاحب ، خطیب ، جامع مسجد آسٹریلیا ، کے ہاتھ پر مشرف باسلام ہوئے - سر محمد اقبال وغیرہ رہنماؤں کے دستخطوں سے مسٹر ارٹون نے حسب ذیل بیان شائع کیا ہے :

'' اقرار کرتا ہوں کہ میں خدا کے تمام مرسلین حضرت آدم[ع] ، حضرت ابراہیم[ع] ، حضرت عیسیٰ[ع] ، حضور سرور کائنات محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیا کی نبوت پر ایمان لاتا ہوں اور اقرار کرتا ہوں کہ تمام عمر قرآن مقدس اور حضور علیہ الصلوٰۃ و السلام کے پیش کردہ اسلام پر قائم رہوں گا - لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا میں اعلان کرتا ہوں - آئندہ میرا اسلامی نام جمیل آرٹون ہے -'

''مسٹر آرٹون نماز جمعہ شاہی مسجد میں ادا فرمائیں گے'' (''ایمان'' ، ۲۳/۳۰ جون ۱۹۳۶ ، ص ۶) -

(۵) بنگالی طلبا کو پیغام - ''ڈاکٹر اقبال نے بنگال کے مسلم طلبا کو حسب ذیل پیغام بھیجا ہے : 'مخالف قوتوں سے ہرگز مت ڈرو - جد و جہد جاری رکھو کیونکہ جد و جہد میں زندگی کا راز مضمر ہے'' (''ایمان'' ، ۲۳/۳۰ اکتوبر ۱۹۳۷ ، ص ۵ ، کالم ۲) -

(۶) علامہ اقبال کی نئی تصنیف - ''علامہ اقبال 'عہد نبوی میں سیاسی اور اجتماعی حالت' کے عنوان پر ایک کتاب لکھنا چاہتے ہیں - صاحب موصوف کی درخواست پر چند علمائے ازہر کو مقرر کیا گیا ہے کہ وہ اس کتاب کے لیے

مواد فراہم کریں ۔ معلومات فراہم ہونے پر شیخ ازہر کی نظر ثانی کے بعد علامہ موصوف کو بھیج دیں گے'' (''ایمان'' ، ۱۵ اپریل ۱۹۳۸ ، ص ۱۵) ۔

(۷) **نوجوانوں کو نصیحت** ۔ ''تھوڑا عرصہ گزرا ، چند نوجوان ڈاکٹر اقبال کی زیارت کے لیے آئے ۔ ڈاکٹر صاحب نے فرمایا : اے میرے عزیز بچو ! تم کیسے وقت میں میرے پاس آئے ہو جب کہ آنکھوں میں اتنی بھی بینائی نہیں ہے کہ میں تمھارے چہرے دیکھ سکوں ۔

''یہ کہا اور ساتھ ہی رونا شروع کر دیا ۔ کچھ وقفے کے بعد ایک نوجوان نے پھر زبان کھولی اور کہا : حضرت آپ ہمیں کچھ نصیحت فرمائیں ۔ اس پر ڈاکٹر مرحوم اور زیادہ روئے اور ارشاد فرمایا : میرے بچو ! میری تمھیں صرف ایک نصیحت ہے اور وہ یہ ہے کہ تم ہر روز سمجھ سمجھ کر قرآن کریم کی تلاوت کیا کرو ۔ اس کے بعد تم کسی دوسرے انسان کی نصیحت کے محتاج نہیں رہو گے'' (ایمان'' ، ۳ مئی ۱۹۳۸ ، ص ۲) ۔

(۸) **مجلس اقبال کا قیام** ۔ ''ڈاکٹر اقبال مرحوم کے نصب العین اور تعلیمات کے تحفظ اور اشاعت کے لیے لاہور میں مجلس اقبال قائم کی گئی ہے ۔ خواجہ عبدالرحیم صاحب صدر اور راجہ حسن اختر صاحب سکرٹری ہوں گے ۔ یہ بھی طے کیا گیا ہے کہ ڈاکٹر صاحب کی قبر سنگ مرمر کی بنائی جائے اور قبر کے پاس ہی مجلس اقبال کا دفتر تعمیر کیا جائے ۔ ۲۸ اپریل کو لاہور میں سر ڈگلس ینگ کی زیر صدارت ایک کمیٹی قائم کی گئی ہے جو مرحوم کے لیے شان دار یادگار قائم کرے گی ۔ اس کمیٹی کے سکرٹری نواب احمد یار خاں دولتانہ ہیں'' (ایضاً ، ص ۱۶) ۔

(۹) **علامہ اقبال کا وظیفہ** ۔ ''نواب بھوپال کی طرف سے علامہ اقبال مرحوم کو ۵۰۰ روپیہ ماہوار کا وظیفہ دیا جاتا تھا ۔ اب ۳۰۰ روپیہ ماہوار کا وظیفہ مرحوم کے پس ماندوں کے لیے جاری رہے گا'' (''ایمان'' ، ۱۵ جولائی ۱۹۳۸) ۔

(۱۰) **''اقبال کا غلاموں سے خطاب** (''ایمان'' ، ۹/۱۶ جنوری ۱۹۳۷ ، ص ۹) :

دور محکومی میں راحت کفر ، عشرت ہے حرام
دوستوں کی چاہ ، آپس کی محبت ہے حرام

علم ناجائز ہے ، دستار فضیلت ہے حرام
انتہا یہ ہے ، غلامی کی عبادت ہے حرام
سایہ ذلت سے مومن کا گزرنا ہے حرام
صرف جینا ہی نہیں ہے بلکہ مرنا ہے حرام

ہجری سنین اور عیسوی سنین میں مطابقت

عبدالرحمٰن کیلانی

آج کل دنیا کے بیشتر ممالک میں عیسوی تقویم رائج ہے جو شمسی تقویم پر مبنی ہے ۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ تمام مذاہب الٰہیہ میں مدت کا شمار قمری تقویم سے وابستہ ہے کیونکہ قمری تقویم ہی حقیقی اور فطری تقویم ہے ۔ انسان نے ابتداءً اسی تقویم کو اپنایا لیکن بعض دنیوی اغراض و مقاصد کی بنا پر شمسی تقویم رواج پا گئی ہے ۔

اسلامی تاریخ میں عموماً ہجری سنین ہی ملتے ہیں ۔ کسی تخلیقی کام کے لیے مورخ کی ایک اہم ضرورت یہ بھی ہے کہ وہ کسی ہجری تاریخ کے مطابق عیسوی تاریخ کا صحیح تعین کر سکے ۔ اس غرض کے لیے گو تقابلی تقاویم بھی دست یاب ہیں لیکن ہم چاہتے ہیں کہ ایسے طریقے معلوم کر سکیں جن سے کسی ہجری تاریخ کو عیسوی تاریخ کے ، یا عیسوی تاریخ کو ہجری تاریخ کے مطابق کیا جا سکے ۔ ہجری تقویم کے متعلق ابتدائی معلومات اور کسی مخصوص ہجری تاریخ کو دن معلوم کرنے کے طریقے تو ہم ہدیہٗ ناظرین کر چکے ہیں ۔ اب ہم عیسوی تقویم کے متعلق ابتدائی معلومات اور دن معلوم کرنے کا طریقہ بیان کریں گے ۔ بعد ازاں مطابقت کے طریقے بتائیں گے ۔

عیسوی تقویم

موجودہ نظریۂ ہیئت کے مطابق سورج ساکن ہے اور ہماری زمین اس کے گرد گھومتی ہے ۔ زمین کی گردش دو قسم کی ہے ۔ ایک اپنے محور کے گرد جس سے دن رات پیدا ہوتے ہیں ۔ اس گردش کی مدت کو چوبیس برابر حصوں یا گھنٹوں میں تقسیم کیا گیا ہے ۔ گویا دن رات کی مجموعی مدت ہمیشہ چوبیس گھنٹے ہوتی ہے ۔ دوسری سورج کے گرد ، جس سے کبھی دن بڑے ہو جاتے ہیں اور راتیں

چھوٹی اور کبھی اس کے برعکس رات بڑی اور دن چھوٹے ہو جاتے ہیں اور اس طرح مختلف موسم ظہور میں آتے ہیں ۔ زمین کی اس دوری گردش کی مدت ، جس میں وہ سورج کے گرد اپنا چکر مکمل کرتی ہے ، 365 دن 6 گھنٹے 48 منٹ 46 سیکنڈ ہے اور یہی مدت شمسی سال کہلاتی ہے ۔

عیسوی تقویم کی گزشتہ تاریخ ۔ شمسی تقویم میں دن اور سال کی مدت تو متعین ہے لیکن سال ، مہینوں اور مہینوں کے دنوں کے لیے کوئی قدرتی ضابطہ موجود نہیں ہے ۔ لہٰذا سال کے مہینوں اور مہینوں کے دنوں میں بارہا تغیر و تبدل ہوتا رہا ہے اور آئندہ بھی ہونے کا امکان ہے ۔ عیسوی کیلنڈر میں فروری 28 دن کا ہے تو دسمبر 31 دن کا ۔ گویا مہینے کے ایام میں چار دن کا تفاوت موجود ہے ۔ اسی طرح بکرمی سمت (جو شمسی تقویم پر مبنی ہے) میں کئی ماہ تو 32 دن کے آ جاتے ہیں اور کئی دوسرے 29 دن کے ۔ یہاں بھی چار دن تک کا تفاوت موجود ہے اور یہ تفاوت انسان کا اپنا پیدا کردہ ہے ۔ قمری تقویم اس دست برد سے پاک ہے ۔ یہاں تفاوت زیادہ سے زیادہ ایک دن کا ہے اور وہ بھی قدرتی ہے ۔

یہ تو دنوں کے تفاوت کا مسئلہ تھا ۔ شمسی تقویم میں مہینوں کی تعداد بھی گھٹتی بڑھتی رہتی ہے ۔ عیسوی سن کبھی چودہ ماہ کا شمار ہوا اور کبھی ساڑھے دس ماہ[1] کا اور بالآخر بارہ ماہ کا سال قرار دیا گیا ۔ بکرمی سمت میں آج کل بھی کئی سال تیرہ ماہ کے آ جاتے ہیں ۔

شمسی تقویم میں چونکہ سال کے مہینوں اور مہینے کے دنوں کی تعداد انسان کی خود ساختہ ہوتی ہے ، اس لیے اس میں ہر صورت ممکن ہے ۔ مثلاً آپ چاہتے ہیں کہ سال 10 ماہ کا ہونا چاہیے ، تو اس کی آسان صورت یہ ہے کہ 5 ماہ 36 دنوں کے شمار کر لیجیے باقی 5 ماہ 37 دنوں کے ۔ اس طرح سال کے 365 دن پورے ہو جائیں گے ۔ اسی طرح اگر آپ اسے 14 ماہ کا بنانا چاہیں ۔ تو 13 ماہ 26 دنوں کے اور ایک ماہ 27 دنوں کا مقرر کر دیجیے ۔ مطلوبہ 365 دن پورے ہو جائیں گے ۔ اس طرح ہم کسی وقت بھی حسبِ ضرورت یا خواہش مہینوں اور

1۔ عبدالقدوس ہاشمی ، ''تقویمِ تاریخی'' ، دیباچہ ۔

دنوں کی تعداد میں کمی بیشی کر سکتے ہیں ، لیکن قمری تقویم میں ایسی کوئی گنجائش نہیں ہے ۔

پھر یہ مسئلہ بھی مختلف فیہ رہا ہے کہ عیسوی سال کو کس ماہ سے شروع کیا جائے ۔ مختلف ممالک میں کہیں یہ سال مارچ سے شروع ہوا ، کہیں ستمبر سے ، کہیں ایسٹر سے شروع ہوتا تھا تو کہیں کرسمس سے ۔ 1752 میں انگلستان نے اس سال کا آغاز جنوری سے کیا تو اب یورپ و امریکہ میں اس سال کا آغاز اس مہینے سے مانا جاتا ہے ۔[2]

یہ وجوہات ہیں جن کی بنا پر سنِ عیسوی ہر دور میں قابلِ ترمیم سمجھا جاتا رہا ہے ۔ موجودہ عیسوی کیلنڈر ، جو گریگوری کیلنڈر کہلاتا ہے ، حقیقتاً پرانا رومی کیلنڈر ہے جسے آگسٹس نے ترمیم کیا ۔ پھر جولین نے ترمیم کیا تو یہ جو لین کیلنڈر کہلایا ۔ پھر اس میں سن 8ع میں ترمیم ہوئی پھر 799ع میں ۔ اس کے بعد 1477 میں اور بالآخر 1552 میں پاپائے روم گریگوری کے حکم سے ترمیم ہوئی ۔ اتنی ترمیمیں تو معلوم ہیں اور حقیقتہً کتنی بار ترامیم ہوئیں اس کے لیے تاریخی شواہد معلوم نہیں ۔

یہ آخری ترمیم جو 1552 میں کی گئی تھی اس کی کیفیت بھی عجوبہ ہے ۔ اسے مختلف ممالک میں مختلف ادوار میں تسلیم کیا گیا ۔ انگلستان نے 1752 میں جب یہ ترمیم منظور کی تو اس وقت 2 ستمبر 1752 یوم بدھ مطابق 3 ذی قعدہ 1165 کا دن تھا ۔ اس سے اگلے روز یعنی 4 ذی قعدہ 1165 جمعرات کو 14 ستمبر 1752 قرار دیا گیا ۔[3] گویا بارہ دن درمیان سے غائب کر دیے گئے ۔ مزید حیرت کی بات یہ ہے کہ سنِ عیسوی حضرت مسیح کی پیدائش سے شروع کیا گیا تھا ، مگر زمانۂ حال کے محققین نے تسلیم کیا ہے کہ حضرت مسیح کی ولادت اس سے چار سال پہلے کی ہے ۔

دنوں کے تعین کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے ۔ قدیم حساب کے مطابق یکم جنوری سن 1 کو ہفتہ کا دن قرار دیا گیا تھا (یعنی سوموار کا دن 3 جنوری

2۔ قاضی سلیمان منصور پوری ، ''رحمة للعالمین'' 360/2 ۔
3۔ ایضاً ، 352/2 ۔

سن 1 کو تھا) جب کہ جدید حساب کی رو سے یکم جنوری سن 1 کو سوموار قرار دیا گیا ہے ۔[4]

عیسوی تقویم کے مبادیات ۔ (1) موجودہ دور میں عیسوی سال کے بارہ ماہ مقرر ہیں اور مہینوں کے ایام ، اور سال کے آغاز کا مہینہ جو مقرر کیے گئے ہیں وہ یہ ہیں :

جنوری	فروری	مارچ	اپریل	مئی	جون
31	28	31	30	31	30
جولائی	اگست	ستمبر	اکتوبر	نومبر	دسمبر
31	31	30	31	30	31

(2) ہر سال جو 4 پر تقسیم ہو جائے وہ لیپ کا سال کہلائے گا ۔ اس سال ماہ فروری کے 29 دن ہوں گے اور یہ سال 365 دن کی بجائے 366 دن کا شمار ہوگا ۔ مثلاً 824ع یا 1352ع 366 دن کے ہوں گے ۔

(3) ہر وہ صدی جس کا ہندسہ 4 پر تقسیم نہیں ہوتا عام صدی کہلائے گی اور اس کے دن عام سال کی طرح 365 دن ہوں گے ، مثلاً 1300 یا 1800 میں 13 اور 18 کے ہندسے چونکہ 4 پر تقسیم نہیں ہوتے لہٰذا یہ سال 365 دن کے ہوں گے ۔

(4) جس صدی کا ہندسہ 4 پر تقسیم ہو جائے وہ لیپ کی صدی ہوگی ۔ مثلاً 800ع یا 1200ع ۔ ایسی صدی کے دن 366 ہوں گے ۔

اس طریقہ کار ہے :

(الف) ایک سال کے دن $= 365$

(ب) 4 سال کے دن $= (4 \times 365) + 1 = 1461$

(ج) 100 سال سے دن $= (25 \times 1461) - 1 = 36524$

(د) 400 سال کے دن $= (4 \times 36524) + 1 = 146097$ بنتے ہیں ۔

گویا شمسی تقویم میں لیپ کا سلسلہ 400 سال تک پھیلتا چلا گیا ہے ۔ اب اگر 146097 کو 400 سے تقسیم کیا جائے تو 365 دن 5 گھنٹے 49 منٹ اور

4۔ عبدالقدوس ہاشمی ، کتاب مذکور ، دیباچہ ۔

12 سیکنڈ حاصل ہوتے ہیں ۔ گویا لیپ کا سال ایک لامتناہی سلسلہ چلانے کے بعد بھی حساب پورا نہیں بنتا اور ہر سال کا 2 سیکنڈ زائد شمار ہو رہا ہے کیونکہ شمسی سال کی اصل مدت 365 دن 5 گھنٹے 48 منٹ اور 46 سیکنڈ ہے ۔ گو یہ فرق بالکل معمولی ہے ، تاہم تقریباً تین ہزار سال بعد ایک دن پھر کم کرنا پڑے گا ۔

نیا عالمی کیلنڈر ۔ اس مروجہ کیلنڈر پر بھی آج کل عدم اطمینان کا اظہار ہو رہا ہے ۔ اس کیلنڈر پر اعتراض یہ ہے کہ مہینوں کے ایام میں بہت زیادہ یعنی چار دن تک کا تفاوت موجود ہے ۔ دوسرے اس کیلنڈر میں کوئی بھی ماہ و سال کسی خاص دن سے شروع نہیں ہوتا ۔ لہٰذا ایک نیا عالمی کیلنڈر (World Calendar) زیر تجویز ہے جس کے اہم نکات یہ ہیں :

(1) یہ سال 12 ماہ کا ہوگا اور اسے 4 سہ ماہیوں میں تقسیم کیا جائے گا ۔

(2) ہر سہ ماہی کا پہلا دن اتوار اور پہلا مہینہ 31 دن کا ہوگا ۔ باقی دو مہینے 30 ، 30 دن کے ہوں گے ۔ گویا ایک سہ ماہی کے دن $31+30+30=91$ ہوں گے ۔ یہ ہندسہ 7 پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا اگلی سہ ماہی کا پہلا دن لازماً اتوار ہی ہوگا ۔

(3) چار سہ ماہیوں کی مدت $91\times4=364$ دن بنتی ہے ۔ لہٰذا 30 دسمبر بروز ہفتہ اور اگلے سال کی یکم جنوری بروز اتوار کے درمیان ایک دن (365 واں دن) یوم تعطیل قرار دیا جائے گا ۔ اس دن کا نہ کوئی نام ہوگا اور نہ ہی کوئی تاریخ ہوگی ۔ گویا یہ بالکل فالتو دن ہوگا ۔

(4) ہر لیپ کا سال خواہ عام سال ہو یا لیپ والی صدی ہو 366 دن کا ہوگا اور اس کی صورت یہ ہوگی کہ اس سال 30 جون بروز ہفتہ اور یکم جولائی بروز اتوار کے درمیان حسب طریق بالا بلا نام اور تاریخ ایک دن کا اضافہ کیا جائے گا اور یہ بھی یوم تعطیل ہوگا ، یعنی لیپ کے سال میں دو اضافی دن ہوں گے ۔

اس مجوزہ کیلنڈر میں درج ذیل خوبیاں پائی جاتی ہیں :

(1) مہینوں کے ایام میں تفاوت کم ہو جائے گا ، یعنی صرف ایک دن کا فرق رہ جائے گا ۔

(2) ہر سال اور ہر سہ ماہی اتوار کو شروع ہوا کرے گی ۔

(3) ہر ماہ کے ایام کار 26 دن ہی رہیں گے کیونکہ 31 دن والے مہینوں میں پانچ اتوار آتے ہیں اور باقی مہینوں میں چار۔

یہ کیلنڈر ماہرین کے تبصرے کے لیے پیش کیا گیا ہے۔ ہماری نظر میں اس کی خوبیاں تو کسی خاص اہمیت کی حامل نہیں، البتہ خرابیوں میں اضافہ کا امکان ہے، مثلاً:

(i) موجودہ کیلنڈر میں جو لیپ کا سلسلہ 400 سال تک پھیلتا چلا گیا ہے وہ بدستور قائم رہے گا اور تین ہزار سال کے بعد جو فرق موجودہ کیلنڈر میں ہے وہ اس میں موجود رہے گا۔

(ii) کسی دن کو کوئی نام اور تاریخ نہ دینا معمولاتِ زندگی کے کئی شعبوں میں گڑ بڑ پیدا کر سکتا ہے۔

(iii) اسلامی ممالک میں اس کیلنڈر کی حیثیت بہت حد تک کم ہو جائے گی۔ ان کے جمعہ کے دن کو مصنوعی طریقوں سے آگے پیچھے کر لینے کو گوارا نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ قرآن کی رو سے یہ ناجائز ہے۔

(iv) کسی معینہ عیسوی تاریخ کو دن معلوم کرنے کا جو طریقہ رائج ہے اس میں مزید اُلجھن پیدا ہو جائے گی۔ لہٰذا ہمارے خیال کے مطابق اس کیلنڈر کو عام قبولیت حاصل نہ ہو سکے گی۔

سنِ عیسوی کی کسی معینہ تاریخ کو دن معلوم کرنے کا طریقہ

موجودہ عیسوی کیلنڈر میں ہفتے کا پہلا دن سوموار اور آخری دن اتوار قرار دیا گیا ہے۔ نیز یہ کہ یکم جنوری 1ء کو سوموار کا دن تھا۔ گویا یکم جنوری 1ء ہفتے کا پہلا دن تھا۔ لہٰذا ہم کسی معینہ تاریخ کو دن معلوم کرنے کے لیے درجِ ذیل اقدامات اختیار کریں گے:

(1) ہر 400 سال کے دن 146097 ہوتے ہیں اور یہ عدد 7 پر پورا تقسیم ہو جاتا ہے اور 20871 مکمل ہفتے بن جاتے ہیں، گویا ہر 400 سال کا آخری دن اتوار ہوگا اور 400 سال کے لیے ہم صفر کا ہندسہ لیں گے۔

(2) ہر عام صدی کے 36524 دن ہوتے ہیں۔ 7 پر تقسیم کرنے سے 5217 ہفتے بنتے ہیں اور 5 دن بچ جاتے ہیں۔ لہٰذا ہر عام صدی کے لیے ہم 5 کا ہندسہ لیں گے۔

(3) ہر عام سال کے 365 دن ہوتے ہیں ۔ 7 پر تقسیم کرنے سے 52 ہفتے بنتے ہیں اور ایک دن بچتا ہے ۔ لہٰذا ہر سال کے لیے ایک کا ہندسہ لیا جائے گا اور ہر لیپ کے سال کے لیے ایک کا ہندسہ مزید جمع کیا جائے گا ۔

(4) اس کے بعد رواں سال کے گزشتہ مہینوں کے دنوں کا شمار اس طریق سے ہوگا ۔ جنوری کے لیے 3 دن (31 کو 7 پر تقسیم کرنے سے 3 باقی بچتا ہے) ، فروری عام سال 0 ، لیپ کا سال 1 دن ، مارچ 3 دن ، اپریل 2 دن ، علی ہٰذ القیاس مطلوبہ دن تک شمار کیا جائے گا ۔

(5) بعد ازاں ان سب مدات سے بچے ہوئے دنوں کو جمع کر کے پھر 7 پر تقسیم کیا جائے ۔ اگر ایک بچے تو سوموار ، 2 بچیں تو منگل ، علی ہٰذ القیاس اگر 0 بچے تو اتوار کا دن ہوگا ۔

اب مندرجہ بالا طریق کی رو سے درج ذیل مثالیں ملاحظہ فرمائیے :

مثال نمبر 1 ۔ 16 فروری 1382 کو کون سا دن تھا ؟

(1) یہ تو ہم جانتے ہیں کہ ہر 400 سال کے لیے 0 دن شمار ہوگا ۔ لہٰذا 1200 سال کے لیے = 0 دن

(2) اب صرف ایک صدی (تیرھویں) باقی رہتی ہے ۔ اور ہر عام صدی کے لیے 5 دن شمار کرتے ہیں ۔ 100 سال کے لیے = 5 دن

(3) 81 گزشتہ سالوں کے لیے
ایک دن فی سال کے حساب سے = 81 دن
اور درمیانی لیپ کے سال کے حساب سے = 20 کل 101 دن
= 7 پر تقسیم کرنے بعد باقی = 3 دن

(4) ماہ جنوری 31 کے دن 7 پر تقسیم کرنے کے بعد باقی = 3 دن
ماہ فروری 16 کے دن 7 پر تقسیم کرنے کے بعد باقی = 2 دن

کل دن = 13 دن

7 پر تقسیم کرنے سے باقی 6 دن بچتے ہیں ۔ لہٰذا مطلوبہ تاریخ کو ہفتہ کا دن ہوگا ۔

مثال نمبر 2 ۔ 23 ستمبر 1976 کو کون سا دن تھا ؟

اب ہم طریق بالا کو مزید مختصر کریں گے :

1600 کے لیے = 0 دن

300 کے لیے (3 × 5) = 15 = 1 دن

75 سال کے لیے عام دن 75

لیپ 18

کل 93 = 2 دن

جنوری — فروری (لیپ) — مارچ — اپریل — مئی

3 + 3 + 3 + 1 + 3

جون — جولائی — اگست — ستمبر

2 + 3 + 3 + 2

= 22 = 1

کل دن = 4

لہٰذا مطلوبہ تاریخ کو **جمعرات** کا دن ہوگا

مثال نمبر 3 ۔ 24 اپریل 2178 کو کون سا دن ہوگا ؟

2000 سال کے لیے = 0 دن

100 سال کے لیے = 5 دن

77 سال کے لیے عام 77

لیپ 19

96 = 5 دن

جنوری فروری مارچ اپریل

3 0 3 (24 یا) 3 = 9 یا 2 دن

کل دن = 12 دن

یا 5 دن باقی ۔ لہٰذا مطلوبہ تاریخ کو **جمعہ** کا دن ہوگا ۔

نوٹ ۔ شمسی تقویم میں 28 سال کا دور صغیر شمار کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ہر 28 سال بعد پہلے سے دن آ جاتے ہیں مثلاً یکم مارچ 612 کو اگر اتوار ہے تو یکم مارچ 640 ، 668 ، 696 کو بھی اتوار ہی ہوگا اور تمام مہینوں کی تاریخوں کے وہی دن آئیں گے جو پہلے آئے تھے ۔ گویا تاریخ اپنے آپ کو دہرانا شروع کر دیتی ہے ۔ لیکن یہ سلسلہ ایک صدی کے اندر اندر ہی چل سکتا ہے ، کیونکہ صدی کے بعد پھر ایک دن کم ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا اس دور

صغیر کی تعین نہ تو کسی معینہ عیسوی تاریخ کا دن نکالنے میں ممد ثابت ہوتی ہے اور نہ ہی ہجری تقویم کو عیسوی یا عیسوی کو ہجری کے مطابق کرنے میں کام آ سکتی ہے ۔ دن معلوم کرنے کے لیے اگر اسے استعمال کریں تو یہ طریق ایک درجہ اور لمبا ہو جاتا ہے ۔ لہٰذا اس طریقِ کار کو عمداً چھوڑ دیا گیا ہے ۔

ہجری اور عیسوی سنین میں مطابقت کے طریقے

اب ہم ہجری اور عیسوی سنین کی مطابقت اور تاریخ معلوم کرنے کے درجِ ذیل تین طریقے پیش کرتے ہیں ۔

(1) دنوں کی گنتی کے طریقے سے ، جس کے ذریعے بالکل صحیح تاریخ معلوم کی جا سکتی ہے ۔

(2) دونوں طرح کے سنین میں سالوں اور دنوں کا فرق معلوم کرنے سے ۔ اس طریقے سے صحیح تاریخ معلوم کی جا سکتی ہے ، لیکن بعض دفعہ ایک آدھ دن کا فرق پڑ جاتا ہے جس کی وجہ یہ ہے کہ دونوں طرف جو لیپ کا سلسلہ چلتا ہے اس میں بعض دفعہ اُلجھن پیدا ہو سکتی ہے ۔ تاہم بسا اوقات صحیح تاریخ ہی نکلتی ہے ۔

(3) سرسری جائزہ یا زبانی حساب ، جس کے ذریعہ ہم مہینے کی تاریخ کو معلوم نہیں کر سکتے ، البتہ تھوڑی سی مشق کے بعد سال اور مہینوں تک کی مطابقت کر سکتے ہیں ۔

1۔ دنوں کی گنتی کے طریقے سے

یہ تو ہم بتلا چکے ہیں کہ :

(1) شمسی ایک سال = 365 دن

اور 4 سال = 1461 دن

اور 100 سال = 36524 دن

اور 400 سال = 146097 دن کے ہوتے ہیں ۔

گویا شمسی سالوں میں 400 سال تک لیپ کا سلسلہ چلتا رہتا ہے ۔

(2) اور یہ بھی بتا چکے ہیں :

قمری ایک سال = 354 دن

اور 30 سال = 10631 دن کے ہوتے ہیں

نیز 30 سالوں میں سال نمبر 2 ، 5 ، 7 ، 10 ، 13 ، 16 ، 18 ، 21 ، 24 ، 26 ، 29 لیپ کے ہوتے ہیں گویا قمری سالوں میں لیپ کا سلسلہ 30 سال میں ختم ہو جاتا ہے۔

(3) سنین کی تبدیلی کے سلسلے میں تیسری بات یاد رکھنے کے قابل یہ ہے کہ یکم محرم الحرام 1ھ کو 16 جولائی 622 تھا۔ اب اگر 16 جولائی 622 تک مندرجہ بالا طریق سے دنوں کا شمار کیا جائے تو 227012 دن حاصل ہوتے ہیں۔

پہلے 400 سال کے دن	=	146097	
اگلے 200 سال کے دن	=	73048	(2×36524)
اگلے 21 سال کے دن	=	7670	$(21 \times 365) + 5$ لیپ
16 جولائی تک دن	=	197	
		227012	

لیکن قاضی سلیمان صاحب منصور پوری ، صاحب ''رحمۃ للعالمین'' ، نے جلد دوم میں پوری تحقیق کے بعد یہ دن 227014 شمار کیے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ قدیم حساب سے یکم جنوری سن 1 کو ہفتہ قرار دیا گیا تھا اور سوموار کو 3 جنوری 1 تھا ، مگر بعد میں ترمیم کے ذریعے یکم جنوری 1 کو سوموار کا دن قرار دے دیا گیا تھا۔

(الف) ہجری تاریخ کو عیسوی میں تبدیل کرنا

مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں کسی ہجری تاریخ کو عیسوی میں بدلنے کے لیے درج ذیل اقدامات کیجیے۔

طریقہ (i) رواں سال کو چھوڑ کر باقی سالوں کو 30 پر تقسیم کر کے کل دورِ صغیر اور باقی سال معلوم کیجیے۔

(ii) دورِ صغیر کی تعداد کو 10631 سے ضرب دے کر دن معلوم کیجیے۔

(iii) باقی سالوں کو 354 سے ضرب دے کر ان میں لیپ کے دنوں کا اضافہ کر لیجیے۔

(iv) اب رواں سال کے محرم سے معینہ تاریخ تک دن شمار کر لیجیے ۔

(v) (ii) ، (iii) اور (iv) سب کو جمع کر لیجیے ۔ یہ ہجری کل دن ہیں ۔

(vi) اب ان میں 227014 دن جمع کر لیجیے تو یہ عیسوی دن بن جائیں گے ۔

(vii) اس کل میزان کو 365 پر تقسیم کیجیے اور حاصل قسمت کے لیپ کے سال معلوم کیجیے جو کہ ہر 400 سال میں 97 دن ہوتے ہیں اور ایک صدی میں 24 ۔ بعد میں ہر چوتھا سال لیپ کا ۔

(viii) یہ لیپ کے دن باقی میں سے تفریق کر دیجیے کیونکہ یہ دن بھی حاصل قسمت والے سالوں میں شمار ہو چکے ہیں ۔

(ix) اب جو باقی بچے یہ رواں سال کے دن ہیں ۔ انہیں جنوری سے شمار کرکے مطلوبہ تاریخ معلوم کر لیجیے ۔ حاصل قسمت والے سال آپ پہلے ہی معلوم کر چکے ہیں ۔ اس سے اگلا سال ہی مطلوبہ سن ہوگا ۔

اب ہم چند مثالوں کے ذریعے اس طریق سے سوال حل کرتے ہیں ۔

مثال 1۔ 22 جمادی الثانی 1082 کو کون سی عیسوی تاریخ تھی ؟

حل (i) $1081 \div 30 = 36 \times 30 + 1$ یعنی 36 دورِ صغیر ۔ باقی ایک سال

(ii) 36 دورِ صغیر یا 1080 سالوں کے دن $= 10631 \times 36 = 382716$ دن

(iii) ایک سال کے دن $= 354$

(iv) رواں سال کے دن =

محرم ۔ صفر ۔ ربیع الاول ۔ ربیع الآخر ۔ جمادی الاول ۔ جمادی الآخر

$30 + 29 + 30 + 29 + 30 + 22$

$= 170$

(v) کل ہجری دن $= 283240$

(vi) کل عیسوی دن = 383240 + 227014 = 610254

(vii) شمسی سالوں میں تبدیل کرنے کے لیے دنوں کے سال بنائیے :

```
365) 610254 (1671 سال =
     365
     ----
     2452
     2190
     ----
      2625
      2555
      ----
       704
       365
       ---
       339  دن باقی
```

(viii) 1671 سالوں میں لیپ کے دن :

1600 سالوں میں = 4 × 97 = 388 اور 71 سالوں میں = کل 405 دن

یا ایک سال 40 دن تفریق کرنے سے باقی 1670 سال 299 دن

(ix) اور 299 دن = جنوری ، فروری ، مارچ ، اپریل ، مئی ، جون ،

31 + 28 + 31 + 30 + 31 + 30 +

جولائی ، اگست ، ستمبر ، اکتوبر

31 + 31 + 30 + 26

لہٰذا مطلوبہ تاریخ = 26 اکتوبر 1671 جواب

مثال 2 ۔ یکم رجب 1346 کو کون سی عیسوی تاریخ تھی ؟

حل : (i) 1345 = (44 × 30) + 25 یا 1320 + 24

(یعنی 44 دورِ صغیر حاصل ہوئے)

(ii) 1320 قمری سالوں کے دن = 10631 × 44 = 467764

(iii) 25 سال کے دن = 354 × 25 = 8850

+ 9 دن لیپ کے جو 25 سال میں آئے = 8859

(iv) یکم رجب تک دن = محرم صفر ربیع الاول ربیع الثانی
29 30 29 30
جمادی الاول جمادی الثانی رجب
1 29 30
= 178

(v) کل ہجری دن = 476801

(vi) کل عیسوی دن = 227014 + 476801 = 703815

(vii) شمسی سالوں میں تبدیل کرنے کے لیے 565 پر تقسیم کیجیے

```
365)703815(1928
    365
    ----
    3388
    3285
    ----
     1031
      730
     ----
     3015
     2920
     ----
       95
```

سال دن
1928 — 95 =
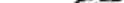
(viii) لیپ کے دن = 1600 سال میں 4 × 97 = 388
لیپ کے دن 300 سال میں 3 × 24 = 72
لیپ کے دن 27 سال میں = 6

کیونکہ 28 واں سال رواں سال ہے جس میں کمی ہو جائے گی

466 دن یا ایک سال 101 دن کم کرنا ہیں

```
1928—95
   1—101
---------
1926—359
```

(ix) 359 دن = جنوری ، فروری ، مارچ ، اپریل ، مئی ، جون
31 28 31 30 31 30
جولائی ، اگست ، ستمبر ، اکتوبر ، نومبر ، دسمبر
31 31 30 31 30 25
لہٰذا مطلوبہ تاریخ = 25 دسمبر 1927 جواب

(ب) عیسوی تاریخ کی ہجری تاریخ میں تبدیلی

کسی عیسوی تاریخ کو ہجری میں بدلنے کے لیے حسب ذیل اقدامات کیجیے ۔ یہ اقدامات پہلے سے بالکل ملتے جلتے ہیں :

طریقہ (i) ہر 400 سال کے لیے 146097 سے ضرب دیجیے یعنی لیپ کی صدیوں کے دن معلوم کیجیے ۔
(ii) عام صدیوں کو 46524 سے ضرب دیجیے ۔
(iii) عام سالوں کو 365 سے ضرب دیجیے اور ان میں لیپ کے دنوں کا اضافہ کر لیجیے ۔
(iv) اب رواں سال کے دن جنوری سے معینہ تاریخ تک شمار کر لیجیے ۔
(v) مندرجہ بالا چاروں اقدامات سے حاصل شدہ اعداد کو جمع کر لیجیے ۔ یہ کل عیسوی دن ہیں ۔
(vi) اب ان دنوں سے 227014 دن تفریق کر دیجیے تو یہ ہجری دن رہ جائیں گے جن کی تاریخ مطلوب ہے ۔
(vii) حاصل تفریق کو 354 سے تقسیم کر کے باقی نکال لیجیے ۔
(viii) حاصل قسمت کے لیپ کے سال اس طرح بنائیں ۔ حاصل قسمت کو 30 پر تقسیم کر کے دورِ صغیر بنائیں اور ہر دورِ صغیر کے لیے 11 دن لے لیں اور باقی سالوں کے حسب قاعدہ لیپ کے دن گن لیں ۔ یہ کل دن باقی دنوں سے نکال دیں ۔
(ix) اب جو باقی بچے اسے یکم محرم سے شمار کر کے مطلوبہ تاریخ معلوم کر لیجیے ۔ سال پہلے معلوم ہو چکے ہیں ۔ یہی مطلوبہ تاریخ ہے ۔

اب ہم مندرجہ بالا دونوں مثالوں کے جوابات کو ہجری تاریخ میں تبدیل کریں گے تا کہ اس طریقے کے تمام پہلو خوب ذہن نشین ہو جائیں اور ساتھ ہی

ساتھ پڑتال بھی ہو جائے ۔ پھر اس کے بعد دو نئی مثالیں حل کریں گے ۔

مثال 1 ۔ 26 اکتوبر 1671 کو کون سی ہجری تاریخ تھی ؟

حل (i) 1600 سالوں کے دن = 146097 × 4 = 584388

(ii) عام صدی کوئی نہیں

(iii) 70 سالوں کے دن = 365 × 70 + 17 لیپ کے دن = 25567

(iv) رواں سال 26 اکتوبر تک = 299

(v) کل عیسوی دن = 610254

227014

(vi) کل ہجری دن 610254 − 227014 = 383240

(vii) ہجری سالوں میں تبدیل کرنے کے لیے

```
354)383240(1082
    354
    ---
     2924
     2832
     ----
      920
      708
      ---
      212
```

سال دن

1082 − 212 =

(viii) لیپ کے دن ہر دور صغیر کے لیے 11 دن

1082 = 36 × 20 + 2

36 دور صغیر = 36 × 11 = 396 = ایک سال 42 دن = 42 − 1

(باقی 2 سال میں کوئی لیپ نہیں آئے گا کیونکہ ———

دوسرا سال رواں ہے) باقی = 170 − 1081

(ix) 170 دن =

محرم ۔ صفر ۔ ربیع الاول ۔ ربیع الثانی ۔ جمادی الاول ۔ جمادی الثانی

30+ 29 + 30 + 29 + 30 + 22

لہٰذا مطلوبہ تاریخ 22 جمادی الثانی 1082 ہوگی جواب

مثال 2 ۔ 25 دسمبر 1927 کو کون سی ہجری تاریخ تھی ؟

(i) 1600 سال کے دن = 146097 × 4 = 584388

(ii) 300 سال کے دن = 36524 × 3 = 109572

(iii) 26 سال (365 × 26 + 6 لیپ) = = 9496

(iv) 25 دسمبر تک رواں سال کے دن = 359

(v) کل عیسوی دن = 703815

= 227014

(vi) کل ہجری دن یا باقی دن = 476801

(vii) 476801 دنوں کے قمری سال

```
354)476801(1046
    354
    ----
    1228
    1062
    ----
     1660
     1416
     ----
      2441
      2124
      ----
       317
```

(viii) لیپ کے دن 1346 = 30 × 44 + 26

44 دور صغیر میں = 44 × 11 = 484 دن

25 سال میں = 9 دن کل

کل دن = 493 یا ایک سال 139 دن

```
   1346—137
      1—139
   --------
سال 1345—178
```

بقایا مدت

(ix) 178 دن =

محرم ۔ صفر ۔ ربیع الاول ۔ ربیع الثانی ۔ جمادی الاول ۔ جمادی الثانی ۔ رجب

30 + 29 + 30 + 29 + 30 + 29 + 1

لہٰذا مطلوبہ تاریخ = یکم رجب 1346 جواب

اب نئی مثالیں ملاحظہ فرمائیے :

مثال 3 ۔ 20 مئی 1776 کو کون سی ہجری تاریخ تھی ؟

(i) 1600 سال کے دن = 4 × 146097 = 584388

(ii) 100 سال کے دن = 36524

(iii) 75 سال = (365 × 75 + 18 لیپ) = 27393

(iv) 20 مئی تک رواں سال کے دن

20 + 30 + 31 + 29 + 31 = 141

(v) کل عیسوی دن = 648446

227014

(vi) کل قابلِ تبدیل ہجری دن یا باقی دن = 421432

(vii) 421432 دنوں کے قمری سال = 354)421432(1190

```
354)421432(1190
    354
    ---
     674
     354
     ----
     3203
     3186
     ----
      172
```

(viii) 1189 سال = (39 × 20) + 19

39 دورِ صغیر میں لیپ کے دن = 39 × 11 = 429

19 سال میں لیپ کے دن = 7

کل دن = 436 یا ایک سال 82 دن

سال	دن
1190	— 172 =
1	— 82 =
1189	— 90 = باقی دن

(ix) 90 دن = محرم ۔ صفر ۔ ربیع الاول ۔ ربیع الثانی

1 + 30 + 29 + 30

لہٰذا مطلوبہ تاریخ = یکم ربیع الثانی 1190 جواب

مثال 4 ۔ 10 فروری 1979 کو کون سی ہجری تاریخ تھی ؟

(i) 1600 سال کے دن = 584388 دن

(ii) 300 سال کے دن = 36524 × 3 = 109572

(iii) 78 سال کے دن (78 × 365 + 19 لیپ) = 28489

(iv) 10 فروری تک = 31 + 10 = 41

(v) کل عیسوی دن = 722490

= 227014

(vi) کل ہجری دن 722290 — 227014 = 495476

(vii) 495476 دنوں کے قمری سال

354)495476(1399
354
1414
1062
3527
3186
3416
3186
230

(viii) لیپ کے دن 1399 = (46 × 30) + 19

46 دور صغیر میں لیپ کے دن = 46 × 11 = 506

19 سال میں لیپ کے دن = 7

کل = 513 دن

یا ایک سال 159 دن

سال		دن	
1399	—	230	=
1	—	159	=
1398	—	71	باقی

(ix) 71 دن = محرم ۔ صفر ۔ ربیع الاول

30 + 29 + 12

لہٰذا مطلوبہ تاریخ = 12 ربیع الاول 1399 (تاریخ اعلان نفاذ شریعت)

2 ۔ سالوں اور دنوں کے فرق کے طریقہ سے

یہ تو ہم جانتے ہیں کہ شمسی سال حقیقتاً 365 دن 5 گھنٹے 48 منٹ اور 46 سیکنڈ ہے لیکن تقویم میں یہ سال 365 دن 5 گھنٹے 49 منٹ 12 سیکنڈ شمار ہو رہا ہے (گویا 26 سیکنڈ فی سال زائد شمار ہو رہا ہے) ۔

اسی طرح قمری سال حقیقتاً 354 دن 8 گھنٹے 48 منٹ اور 24 سیکنڈ ہے لیکن تقویم میں یہ سال صرف 354 دن 8 گھنٹے اور 48 منٹ شمار ہوتا ہے (گویا 34 سیکنڈ فی سال کم شمار ہو رہا ہے) ۔

اسی طرح ان دونوں طرف کے سالوں میں ایک سال میں

دن	گھنٹے	منٹ	سیکنڈ
365	5	49	12
354	8	48	0
10	21	1	12

10 — 21 — 1 — 12 کا فرق پڑ جاتا ہے ۔

بالفاظِ دیگر ایک شمسی سال قمری سال سے 10 دن 21 گھنٹے ایک منٹ اور 12 سیکنڈ زیادہ ہے ۔

یا یہ فرق = $\frac{1051}{1200}$ 10 دن یا $\frac{13051}{1200}$ دن ہوتا ہے ۔

گویا 1200 سال شمسی اور قمری میں 13051 دن کا فرق ہو جائے گا ۔

اب تقاویم کی رو یہ فرق یوں سمجھایا جا سکتا ہے :

400 سال شمسی میں = 146097 دن ہوتے ہیں (لیپ کی آخری حد)

تو 1200 سال شمسی میں = 146097 × 3 = 438291 دن ہوں گے

اور 30 قمری سالوں میں = 10631 دن ہوتے ہیں (لیپ کی آخری حد)

تو 1200 قمری سالوں میں = 10631 × 40 = 425200 دن ہوں گے

اور ان دونوں میں فرق = 13051 دن ہوگا

اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ 1200 سال شمسی میں اگر 13051 دن جمع کر دیے جائیں تو قمری سال حاصل ہوں گے اور ان 13051 دنوں کے سال قمری حساب سے بنا کر جمع کیے جائیں گے جو 36 سال 294 دن بنتے ہیں ،

یا 1210 سال شمسی گزرنے پر قمری سال 1236 اور مزید 294 دن گزر چکے ہوں گے ۔

	دن سال	
گویا 1200 شمسی سال کے عرصے میں		36
زائد قمری سال	36 — 294 =	354)13051
600 شمسی سال کے عرصے میں		1062
زائد قمری سال	18 — 147 =	——
(اصل) 400 شمسی سال کے عرصے میں		2431
زائد قمری سال	12 — 98 =	2124
200 شمسی سال کے عرصے میں		——
زائد قمری سال	6 — 49 =	307
اور 100 شمسی سال کے عرصے میں		لیپ 11 + 2 = 13 دن
زائد قمری سال	3 — $24\frac{1}{2}$ =	نکال دیجیے
		آگے نکل جاتا ہے

لہٰذا ہم پہلی صدی عیسوی کے لیے 3 سال 25 دن اور دوسری کے لیے 3 سال 24 دن ، پھر تیسری کے لیے 3 سال 25 دن علیٰ ہذا القیاس اضافہ کر کے نتائج حاصل کر سکتے ہیں ۔

تقویم کے مشاہدے سے بھی اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے ، مثلاً :

	سال دن
(1) 16 جولائی 622 کے پورے 100 سال بعد 15 جولائی 722 کو 25 محرم 104 تھا ۔ اضافہ	25 — 3 =
(2) 16 جولائی 622 کے پورے 200 سال بعد 15 جولائی 822 کو 19 صفر 207 تھا ۔ اضافہ	24 — 3 =
(3) 16 جولائی 622 کے پورے 300 سال بعد 15 جولائی 922 کو 15 ربیع الاول 310 تھا ۔ اضافہ	25 — 3 =
(4) 16 جولائی 622 کے پورے 400 سال بعد 15 جولائی 1022 کو 11 ربیع الثانی 413 تھا ۔ اضافہ	24 — 3 =

مندرجہ بالا حساب سے دوسرا نتیجہ یہ بھی نکلتا ہے کہ 1200 قمری سالوں میں سے اگر 13051 دن نکال دیے جائیں تو شمسی سال بن جائیں گے اور ان 13051 دنوں کے سال وغیرہ شمسی تقویم کے حساب سے بنائے جائیں گے

جو کہ 35 سال 268 دن بنتے ہیں ۔ گویا 1200 قمری سالوں کے شمسی سال 1164 اور 98 دن ہوں گے ۔

			دن سال
35			
365)13051			گویا 1200 سال قمری کے لیے = 267 — 35
1005	$\frac{1}{2}$ کا 13050		600 سال قمری کے لیے = 316 — 17
———	$\frac{1}{3}$ کا 13350		400 سال قمری کے لیے = 333 — 11
2101	$\frac{1}{4}$ کا 13050		300 سال قمری کے لیے = 341 — 8
1825	$\frac{1}{6}$ کا 13050		200 سال قمری کے لیے = 349 — 5
———			100 سال قمری کے لیے = 357 — 2 یا 356 دن
276	(اصل $357\frac{1}{2}$ دن)		
8	لیپ کے دن		
———			
268			

(i) یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ ہم نے 13051 دنوں کے 13050 دن کی کسور کا حساب کیا ہے ، کیونکہ یہ عدد 2 ، 3 ، 5 ، 10 وغیرہ پر تقسیم ہو جاتا ہے ۔ ظاہر ہے کہ اس طریقے سے ایک آدھ دن کا فرق پڑ سکتا ہے اور ناگزیر ہے ، اور بسا اوقات جواب بالکل صحیح حاصل ہوتا ہے ۔

(ii) صدیوں کے حساب میں کمی شمار کرنے کے لیے سالوں کا حساب یہ ہوگا کہ ہر آٹھ سال کے لیے 87 دن کا فرق شمار کر لیا جائے گا کیونکہ

8 شمسی سالوں کے $1461 \times 2 = 2922$ دن ہوتے ہیں

اور 8 قمری سالوں کے $354 \times 8 + 3$ لیپ $= 2835$ دن ہوتے ہیں

اور فرق $= 87$ دن نکلتا ہے

(iii) 8 سے کم سالوں کے لیے حساب یہ ہوگا :

ایک سال کے لیے فرق = 11 دن

2 سال کے لیے = 22 دن

3 سال کے لیے = 33 دن

4 سال کے لیے = 44 دن

5 سال کے لیے = 54 دن

6 سال کے لیے = 65 دن

7 سال کے لیے = 76 دن

(الف) فرق کے طریقے سے ہجری تاریخ کو عیسوی میں تبدیل کرنا

طریقہ ۔ مندرجہ بالا تصریحات کی روشنی میں :

(i) سالِ رواں کو چھوڑ کر باقی ہجری سالوں کی کمی معلوم کیجیے ۔

(ii) رواں سال کے دن معلوم کیجیے ۔

(iii) اب اصل مدت (سال اور دن) ہجری میں سے معلوم کردہ کمی تفریق کر دیجیے ۔ بس یہ شمسی مدت ہے ۔

(iv) اب اس حاصل تفریق میں 621 سال 199 دن جمع کر دیجیے ۔ یہ ہی عیسوی مدت (سال اور دن) ہیں ۔

(v) اب دنوں کا شمار یکم جنوری سے کرکے مطلوبہ تاریخ حاصل کر لیجیے ۔

اب ہم اس طریقے سے سابقہ مثالوں کو حل کریں گے تا کہ ساتھ ساتھ پڑتال بھی ہو جائے ۔

مثال 1 : 22 جمادی الثانی 1082 کو کون سی عیسوی تاریخ ہوگی ؟

حل : (i) فرق

600 سالوں میں کمی	= 316 -- 17	365)1896(5
300 سالوں میں کمی	= 341 − 8	1825
100 سالوں میں کمی	= 358 − 2	——
80 سالوں میں کمی (87 × 10)	= 870	71
1 سال میں کمی	= 11	1 لیپ
1081 کل کمی	= 1896 − 27	70

(سال ، دن)

یا 31 سال 70 دن

(ii) رواں سال کے دن

یکم محرم تا 22 جمادی الثانی = 170 دن

(iii) شمسی مدت = (178 — 1081) − (70 − 32)

دن سال ، دن سال

= 100 − 1049

دن سال

170 − 1081
70 − 32
100 − 1049

دن سال دن سال دن سال

(iv) عیسوی مدت = (1049 − 100) + (621 − 199) = 1670 − 299

(v) 299 دن = جنوری ۔ فروری ۔ مارچ ۔ اپریل ۔ مئی ۔ جون

31 + 28 + 31 + 30 + 31 + 30

جولائی ۔ اگست ۔ ستمبر ۔ اکتوبر

31 + 31 + 30 + 26

لہٰذا مطلوبہ تاریخ = 26 اکتوبر 1671 جواب

مثال 2 ۔ یکم رجب 1346 کو کون سی عیسوی تاریخ تھی ؟

دن سال 3

حل : (i) 1200 سالوں میں کمی = 267 − 35 $365\overline{)1113}$

100 سالوں میں کمی = 357 − 2 1095

40 سالوں میں = (87 × 5) = 435 ——

5 سالوں میں = 54 18

1345 کل کمی 1113 − 37 یا 40 سال 18 دن

(ii) یکم محرم سے یکم رجب تک دن = 178

(iii) شمسی مدت 171 − 1345

40 − 18 کمی منہا کیجیے

= 160 − 1305

(iv) عیسوی مدت 199 − 621

= 359 − 1926

(v) 359 دن = جنوری ۔ فروری ۔ مارچ ۔ اپریل ۔ مئی ۔ جون

31 + 28 + 31 + 30 + 31 + 30

جولائی ۔ اگست ۔ ستمبر ۔ اکتوبر ۔ نومبر ۔ دسمبر

31 + 31 + 30 + 31 + 30 + 25

لہٰذا مطلوبہ تاریخ = 25 دسمبر 1927 جواب

(ب) عیسوی تاریخ کی ہجری تاریخ میں تبدیلی

کسی عیسوی تاریخ کو ہجری تاریخ میں بدلنے کے لیے حسب ذیل اقدامات کرنا چاہییں :

طریقہ۔ (i) سالِ رواں کے دن بنا کر اصل مدت میں سے 621 سال 199 دن تفریق کر دیجیے۔ باقی مدت میں اضافہ معلوم کرنا ہے۔

(ii) حسب نقشہ قمری سالوں کا اضافہ معلوم کیجیے۔

(iii) باقی مدت میں معلوم شدہ سالوں کا اضافہ کر دیجیے۔ یہ ہجری مدت ہے۔

(iv) حسب سابق باقی دنوں کو محرم سے شمار کر مطلوبہ تاریخ معلوم کیجیے۔

مثال 1 : 20 مئی 1776 کو کون سی ہجری تاریخ تھی ؟

حل : (i) سالِ رواں کے دن یکم جنوری تا 20 مئی 1776 (لیپ کا سال) = 141

باقی مدت یا شمسی مدت = 141 — 1775

621 — 199

1153 — 307

(ii) 1153 سالوں میں اضافہ کرنا ہے :

600 سالوں میں اضافہ	= 147 — 18	
400 سالوں میں اضافہ	= 98 — 12	
100 سالوں میں اضافہ	= 25 — 3	
48 سالوں میں اضافہ (6 × 87)	= 522	
5 سالوں میں اضافہ	= 54	
1153 کل اضافہ	= 846 — 33	
	یا 35 سال 137	

$$\begin{array}{r} 5 \\ 354\overline{)846} \\ 708 \\ \hline 138 \\ 1 \\ \hline 137 \end{array}$$

(1 = لیپ)

(iii) ہجری مدت (شمسی مدت میں اضافہ جمع کیجیے) =

1153 — 307

35 — 137

1188 — 444 یا 1189 سال 90 دن

(iv) 90 دن = محرم ۔ صفر ۔ ربیع الاول ۔ ربیع الثانی

30 + 29 + 30 + 1

لہٰذا مطلوبہ تاریخ = یکم ربیع الثانی 1190 جواب

مثال 2 ۔ 14 اگست 1947 کو کون سی ہجری تاریخ تھی ؟

(i) 14 اگست تک دن = 225

باقی مدت:

1946 — 225	
621 — 199 =	باقی مدت
1325 — 26 سال	

(ii) 1325 سالوں میں :

1200 سالوں میں اضافہ	36 — 294 =
100 سالوں میں اضافہ	3 — 25 =
24 سالوں میں اضافہ (3 × 87)	261 =
1 سال میں اضافہ	11 =
1325 سالوں میں کل اضافہ	39 — 591 =

یا 40 سال 237 دن

	1325 — 26
	30 — 237
(iii) ہجری مدت	1365 — 263 =

(iv) 263 دن = محرم ۔ صفر ۔ ربیع الاول ۔ ربیع الثانی ۔ جمادی الاول

30 + 29 + 30 + 29 + 30

جمادی الآخر ۔ رجب ۔ شعبان ۔ رمضان

27 + 29 + 30 + 29

لہذا مطلوبہ تاریخ = 27 رمضان المبارک 1366 (قیام پاکستان کا دن) جواب

3 ۔ بذریعہ سرسری جائزہ یا زبانی حساب

سرسری جائزے سے صرف سال اور ماہ کا تعین کیا جا سکتا ہے کہ فلاں ماہ اور سال عیسوی کیا واقعی فلاں ماہ و سال ہجری کے مطابق ہے ۔ یہ عموماً زبانی حساب کرنے کے کام آتا ہے اور اس میں تاریخوں کا تعین مشکل ہے ۔ اس سرسری جائزے کے متعلق کچھ اشارہ قرآن کریم میں ملتا ہے ۔ ارشاد باری ہے :

''اور (اصحاب کہف) اپنے غار میں تین سو سال ٹھہرے رہے ، اور (کچھ لوگوں نے) زیادہ شمار کیے نو سال'' (18 : 25) ۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ تین سو سال شمسی گزرنے پر قمری سال 9 زیادہ گزر چکے تھے ۔ یہ تقریباً مدت بیان کی گئی ہے ، ورنہ فی الواقع ایک سو سال شمسی گزرنے پر 3 سال 24½ دن آگے بڑھ جاتا ہے ، یعنی 9 سال اور 73½ دن یا 9 سال اور تقریباً 2½ ماہ گزر چکے تھے ۔

تقویم کے مطالعے سے ہم دیکھتے ہیں کہ

یکم جنوری 868 کو یکم محرم 254 تھا ۔

اور یکم جنوری 933 کو یکم محرم 321 تھا ۔ گویا 65 پورے شمسی سالوں کے مقابل 67 پورے سال قمری گزر گئے ۔

پھر ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ :

9 جنوری 1551 کو یکم محرم 958 تھا ۔

اور 9 جنوری 1617 کو یکم محرم 1026 تھا ۔ گویا پورے 66 شمسی سال کے مقابل پورے 68 قمری سال گزر گئے ۔ یہ دونوں طرف کی انتہا ہے اور ایسا دونوں طرف لیپ کے سالوں کے دلوں میں کمی بیشی کی وجہ سے ہوتا ہے ۔

اب دوسرے مشاہدات بھی ملاحظہ فرمائیے :

4 جنوری 770 کو یکم محرم 153 تھا ۔

اور 4 جنوری 1063 کو یکم محرم 455 تھا ، یعنی 263 سال شمسی = 302 سال قمری ۔ فرق 9 سال ہے ۔

اسی طرح 6 جنوری 1128 کو یکم محرم 522 تھا ۔

اور 6 جنوری 1421 کو یکم محرم 824 تھا ۔ یہاں بھی 293 سال شمسی = 302 سال قمری ۔ فرق 9 سال ہے ۔ اسی نسبت کی طرف قرآن کریم میں اشارہ ملتا ہے ۔

اس طرح کے بے شمار مشاہدے تقاویم میں ملاحظہ کیے جا سکتے ہیں جنھیں طوالت سے بچنے کی خاطر نظر انداز کیا جاتا ہے ۔ ان سب مشاہدات سے ہم یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ (100 ـ 2) 98 شمسی سال گزرنے پر قمری 3 سال اور 3 دن زیادہ گزر جاتے ہیں ۔ اب ہم اس قاعدے سے وہی اصحاب کہف والی

مثال کی پڑتال کرتے ہیں جن کی مدت 300 شمسی سال کے مقابلے میں 309 سال قمری اور تقریباً 74 دن بنتے ہیں ۔

		دن	سال
300 سال ـــ 6 سال شمسی میں اضافہ	=	9	9 ـــ
6 سال میں بطریق سابق	=	65	
9 سال 74 دن	=	74	

گویا عیسوی سن کو ہجری میں بدلنے کے لیے :

(i) ہر (100ـــ2) سال کے لیے اضافہ = 3 سال 3 دن

(ii) ہر 3 سال کے لیے اضافہ = 1 سال 2 دن

(iii) ہر 1 سال کے لیے اضافہ = 11 دن کرنا ہوگا

اور اگر ہم ہجری سالوں کو عیسوی میں تبدیل کرنا چاہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ 302 سال قمری گزرنے پر 293 سال شمسی گزرتے ہیں اور فرق 9 سال کا ہوتا ہے ۔ تو اگر ہم اس فرق کو زیادہ صحیح طور پر واضح کریں تو ہر 100 سال قمری کے مقابلے میں (97 سال شمسی ۔ 8 دن) گزرتے ہیں ۔ یا ہم ہر 100 سال قمری کے لیے 3 سال کی کمی بھی کریں گے اور 8 دن کا اضافہ بھی ۔ 50 سال یا 25 سال کا حساب بھی اسی تناسب سے لگایا جا سکتا ہے اور اس کے نیچے سالوں کے لیے ہر تین سالوں کے لیے ایک ماہ 2 دن کی کمی شمار کریں گے ، یا حسب سابق ۔

(الف) ہجری سنین سے عیسوی میں تبدیلی

طریقہ (i) مندرجہ بالا طریقے سے سنین کی کمی کا حساب معلوم کریں ، یعنی ہر سو سال کے لیے 3 سال کی کمی اور 8 دن کا اضافہ ۔ اس کے بعد ہر 3 سال کے لیے ایک ماہ اور 2 دن کی کمی اور ایک سال کے 11 دن کی کمی ۔

(ii) رواں سال کے مہینے شمار کریں ۔ مہینوں کا شمار چوتھائی تک ہوگا اور ہر ماہ 30 دن کا تصور ہوگا ۔ اب اس ہجری مدت سے یہ کمی منہا کر دیں ۔

(iii) حاصل تفریق میں 621 سال $6\frac{1}{2}$ ماہ جمع کر دیں تو مطلوبہ ماہ و سال حاصل ہوگا ۔

مثال 1 ۔ یکم رجب 1346 کو اندازاً کون سا عیسوی ماہ و سال ہوگا ؟

حل : (i) 1345 سالوں میں کمی معلوم کرنا ہے ۔

1300 سالوں میں کمی = 39 سال اور (— 104 دن یا $3\frac{1}{2}$ ماہ)

یا 38 سال $8\frac{1}{2}$ ماہ

45 سالوں میں کمی (3×15) = 15 ماہ اور 30 دن یا 16 ماہ

کل کمی = 39 سال $12\frac{1}{2}$ ماہ یا 40 سال اور $\frac{1}{2}$ ماہ

	سال	دن
(ii) ہجری مدت	1345 —	9 =
کمی	40 —	$\frac{1}{2}$ =
شمسی مدت	1305 —	$5\frac{1}{2}$ =

(iii) عیسوی مطلوبہ ماہ و سال = $621 - 6\frac{1}{2}$

1926 — 12

لہٰذا مطلوبہ سال اور ماہ = 1927 کا بارھواں ماہ ختم ہو رہا ہوگا

(جب کہ صحیح جواب 25 دسمبر 1927 ہے)

مثال 2 ۔ 22 جمادی الثانی 1082 کو کون سے عیسوی ماہ و سال ہوں گے ؟

حل : (i) 1000 سالوں میں کمی = 30 سال اور (— 80 دن)

81 سالوں میں کمی (3×27) = 27 ماہ اور 54 دن

کل کمی = 32 سال 3 ماہ میں 26 دن کم

یعنی 32 سال $2\frac{1}{4}$ ماہ تقریباً

(ii) شمسی مدت

ماہ	سال
$5\frac{3}{4}$	1081
$2\frac{1}{4}$	32
$3\frac{1}{2}$	1049
$6\frac{1}{2}$	621

(iii) مطلوبہ ماہ و سال = 10 — 1670 = آخر ماہ اکتوبر 1671 جواب

(ب) عیسوی سنین سے ہجری میں تبدیلی

طریقہ (i) اصل عیسوی مدت سے 621 سال $6\frac{1}{2}$ ماہ تفریق کر دیں ۔ حاصل تفریق پر اضافہ معلوم کرنا ہے ۔

(ii) اضافہ یوں ہوگا۔ ہر (2 — 100) سال کے لیے اضافہ 3 سال 3 دن پھر 49 سال کے لیے ۔ ہر 3 سال کے لیے ایک ماہ 2 دن ، 2 سال کے لیے 21 دن اور ایک سال کے لیے 11 دن ۔

(iii) حاصل تفریق میں یہ اضافہ جمع کر دیں ۔ ہجری ماہ و سال معلوم ہو جائیں گے ۔

مثال 1 ۔ 20 مئی 1776 کو ہجری ماہ و سنین کیا تھے ؟

حل : (i)

دن	سال
$4\frac{3}{4}$	1775
$6\frac{1}{2}$	621
$10\frac{1}{4}$	1153

(ii) (22 — 1100) سال میں اضافہ = 33 سال اور 33 دن

22 + 53 = 75 سال میں سے 49 سال = $1\frac{1}{2}$ سال اور $1\frac{1}{2}$ دن

24 سال میں اضافہ = 8 ماہ 16 دن

2 سال میں اضافہ = 22 دن

کل کمی 35 سال 2 ماہ $72\frac{1}{2}$ دن

یا 35 سال $4\frac{1}{2}$ ماہ

(iii) ہجری ماہ و سال $= 1153 - 10\frac{1}{4}$

$35 - 4\frac{1}{2}$

$1189 - 2\frac{3}{4}$

مطلوبہ جواب آخر ربیع الاول 1190 ۔ (اصل جواب یکم ربیع الثانی 1190 ہے)

مثال 2 ۔ 14 اگست 1947 کو ہجری سن و ماہ کیا تھے ؟

حل : (i) $1946 - 7\frac{1}{2}$

$621 - 6\frac{1}{2}$

$1325 - 1$ میں اضافہ معلوم کرنا ہے ۔

(ii) (26 — 1300) سال میں اضافہ = 39 سال 39 دن

26 + 25 = 51 میں سے 49 سال میں = $1\frac{1}{2}$ $1\frac{1}{2}$

2 سال میں اضافہ = 22

کل اضافہ = 40 سال $62\frac{1}{2}$ دن

یا 40 سال 8 ماہ

(iii) ہجری ماہ و سال مطلوبہ = 1325 — 1

40 — 8

1365 — 9

= آخر رمضان المبارک 1366 ہوگا ۔

(اصل جواب 27 رمضان المبارک 1366)

تبصرۂ کتب

مولانا محمد حنیف ندوی ، ''مطالعۂ قرآن'' ۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ ،
کلب روڈ ، لاہور : ۱۹۷۸ ۔ صفحات ۳۱۰ ۔ قیمت -/۲۰ روپے

مولانا محمد حنیف ندوی ایک فکر انگیز مصنف ہیں ۔ انھوں نے علامہ ابوالحسن اشعری ، امام محمد غزالی اور امام ابن تیمیہ ایسے متکلمین کے افکار کو آسان زبان میں پیش کیا ۔ ایک کتاب میں انھوں نے علامہ ابن خلدون کے افکار کا خلاصہ پیش کیا ہے ۔ فلسفیانہ اور دینی مباحث کے بارے میں بھی ان کی تصانیف موجود ہیں ۔ ''مطالعہ قرآن'' ان کی ایک حالیہ تالیف ہے جس کے اجزا اس ادارہ کے رسالہ ''المعارف'' میں بھی متناوباً شائع ہوتے رہے ہیں ۔ ڈاکٹر ایس ۔ اے ۔ رحمان مرحوم ، ریٹائرڈ چیف جسٹس آف پاکستان ، نے کتاب پر ایک مختصر ''پیش لفظ'' تحریر فرمایا ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ 'مطالعۂ قرآن' ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی کتاب ''الفوز الکبیر'' سے الہام گیر ہے ، مگر مولانا محمد حنیف ندوی نے نئے اسلوب سے اس کی تبویب کی اور نئے مباحث چھیڑے ہیں ۔ حقیقت یہ ہے کہ محتویات قرآن کو جاننے کے لیے اس بلند پایہ دینی تالیف کا مطالعہ بے حد سود مند ہوگا ۔

قرآن مجید دینِ اسلام کی اساسِ عظیم ہے ۔ گزشتہ چودہ صدیوں میں اس کتابِ بے نظیر کے بارے میں جو کچھ لکھا جاتا رہا ، اس کا احاطہ و احاصہ کرنا آسان کام نہیں ۔ اقبال نے ایک مصرعے میں قرآن مجید پر لکھنے والے مصنفین کے بخت پر بے ساختہ انداز میں رشک کیا ہے کہ

ع از کتابے صاحبِ دفتر شدند

قرآن مجید کے موضوعات و مباحث کے بارے میں لاتعد عنوانات قائم کیے جاتے رہے ہیں ، مگر مولانا محمد حنیف ندوی نے اہم تر عامی موضوعات کو ذیل کے سولہہ عناوین کے تحت مندرج فرمایا اور دادِ تحقیق دی ہے : قرآن کا تصورِ وحی و تنزیل ، قرآنِ مجید اور کتب سابقہ ، اسفارِ خمسہ ، عہد نامہ جدید اور اناجیلِ اربعہ ، قرآنِ حکیم اور اس کے اسما وصفات ، قرآنی سورتوں کی قسمیں اور ترتیب ، قرآنی سورتوں کی زمانی و مکانی تقسیم ، جمع

و کتابتِ قرآن کے تین مراحل ، قرآنِ حکیم کی لسانی خصوصیات ، اعجازِ قرآن اور اس کی حقیقت ، مکتوباتِ قرآن ، مشکلاتِ قرآن ، قرآن کے رسم الخط کے بارے میں نقطہٗ اختلاف (یہاں نکتہ غالباً نقطہ لکھا گیا ہے ؟) تفسیر ، تفسیر کے دو مشہور مدرسہٗ فکر ، اولیاتِ قرآن ۔

برصغیر میں بدقسمتی سے ایک مدت سے پڑھے لکھے مسلمان بھی علومِ قرآن سے روگرداں ہیں ۔ عربی زبان سے براہِ راست استفادہ تو کجا ، عربی اور فارسی آمیز اُردو بھی ہمارے عام تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترکی ہی ہوئی ہے ۔ تفہیمِ دین کے لیے علما کو مخصوص کیا جا رہا ہے اور جب وہ بیچارے کسی معاملے کو عام فہم انداز میں نہ سمجھا سکیں ، تو ان کا استہزا کر کے عام مسلمانوں کو دین سے برگشتہ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ پڑھے لکھے لوگ تماماً دین کی اہم تر باتوں ، خصوصاً علومِ قرآن ، سے آگاہ ہوں ۔ اس کام میں مولانا محمد حنیف ندوی ایسے روشن خیال علما کی تصانیف خاطر خواہ طور پر گرہ کشا ہو سکتی ہیں ۔ ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ لاہور نے اب تک جو بلند پایہ کتب شائع کی ہیں ، ان میں ''مطالعہٗ قرآن'' بھی شامل ہے مگر یہ امر افسوسناک ہے کہ یہ کتاب بھی اشاریے کے بغیر ہے ۔ ضرورت اس امر کی تھی کہ اس میں اشخاص و اماکن ، کتب و رسائل کے علاوہ ، اصطلاحاتِ خاص کا اشاریہ بھی شامل ہوتا ۔

— (ڈاکٹر) محمد ریاض

ایس ۔ اے ۔ رحمان ، ''اقبال اور سوشلزم'' ۔ ادارۂ ثقافت اسلامیہ ، کلب روڈ ، لاہور : ۱۹۷۸ ۔ صفحات ۸۰ ۔ قیمت -/۱۰ روپے

حکیم محمد سعید اور ہمدرد نیشنل فاؤنڈیشن کا پروگرام ''شامِ ہمدرد'' قابلِ توصیف ہے ۔ اس کے ذریعے کراچی ، لاہور ، راولپنڈی اور پشاور میں دانش وروں کو ہر ماہ اپنے خیالات پیش کرنے کا عمدہ فورم مہیا ہوتا ہے ۔ ''اقبال اور سوشلزم'' کے عنوان کا یہ کتابچہ بھی ''شامِ ہمدرد'' کی تقریب میں وجود میں آیا ۔ اصل خطابہ انگریزی میں تھا ''اقبال اور سوشلزم'' اس خطابے کا من و عن اُردو ترجمہ ہے ۔

ڈاکٹر ایس ۔ اے ۔ رحمان مرحوم ایک جامع الاذواق شخص تھے ۔ وہ قانون کے اعلیٰ ترین مرتبے پر ہی فائز نہیں ہوئے ، ادب و شعر و تحقیق کے میدانوں کے بھی وہ ایک بڑے ترک تاز تھے ۔ ''نذر رحمٰن'' نام کے

مجموعے میں جو ڈاکٹر سید عبداللہ نے مرتب کرکے ۱۹۵۵ء میں لاہور سے شائع کروایا اور انھیں پیش کیا مرحوم کی خدمات مندرج ہیں۔ جسٹس رحمان مرحوم ایک اقبال شناس بھی تھے۔ انھوں نے مثنوی ''اسرار خودی'' کا تماماً اور ''زبور عجم'' کا جزواً اُردو میں منظوم ترجمہ پیش کیا اور فکرِ اقبال پر بعض عمدہ مقالے پیش کیے جن میں ایک زیرِ تبصرہ مقالہ ہے۔

سوشلزم گزشتہ اور موجودہ صدی کا ایک معروف طرزِ فکر ہے۔ یہ طرزِ فکر سیاسیات اور تصوراتِ حیات میں دیگر گونی کا موجب بنا۔ عصرِ اقبال میں سوشلزم کے مالہ وما علیہ کے بارے میں بہت لکھا جاتا رہا ہے۔ ۱۹۱۷ء میں یہ فلسفۂ حیات روس میں انقلاب کا موجب بنا اور اقبال کی وفات کے بعد کئی دیگر ممالک نے اس کو اپنا لیا۔ ''اقبال اور سوشلزم'' کے لائق مصنف نے تصانیفِ اقبال کے حوالے سے یہ بات آشکار کی ہے کہ علامہ اقبال بحیثیتِ مجموعی اس تصورِ حیات کے مخالف تھے۔

اس کتابچے کے چار اجزا ہیں:
جزو اول سوشلزم اور اس کی اقسام کے بارے میں ہے۔ یہ حصہ بڑا دقیق اور عمیق ہے۔ مصنف نے مستند کتب کے حوالے سے سوشلزم کی اصطلاحات اور اس کی اقسام کو واضح کیا ہے (صفحہ ۹ تا ۳۶)۔ دوسرے حصے میں اقبال کی اُردو اور انگریزی نثری تحریروں کے حوالے سے سوشلزم کے تصور سے ان کی بیزاری واضح کی گئی ہے اور تیسرے حصے میں ان کی شاعری سے استشہاد کے ذریعے آخری حصہ خلاصۂ بحث ہے جو اس طرح آغاز پذیر ہوتا ہے:
''اشتراکی عقیدے اور تصوراتِ اقبال کے اس مختصر مطالعے کے بعد جو تصویر اُبھرتی ہے، اس میں اساسیات پر اتفاق کے بجائے اختلاف رنگ زیادہ ہے'' (صفحہ ۱۰۷)۔

''پیش لفظ'' میں فاضل مصنف نے بجا لکھا ہے کہ پاکستان ایسے اسلامی نظریۂ حیات پر قائم ہونے والے ملک میں ''سوشلزم'' کی کوئی اہمیت نہیں، مگر چونکہ بعض لوگ یہاں اس کا پرچار کر رہے ہیں، اس لیے اس ملک کے فکری بانی، علامہ اقبال، کے وہ خیالات جاننا ضروری ہیں جو انھوں نے اس تصورِ حیات کے بارے میں پیش کیے تھے۔ مصنف فرماتے ہیں کہ اقبال کے اشعار میں چونکہ سوشلزم کی توصیف و تقبیح پہلو بہ پہلو موجود ہے اور عام قارئین اس سے غلط فہمی کا شکار ہو سکتے ہیں، لہٰذا وہ شعری استنادات سے پہلے علامہ مرحوم کی سنجیدہ نثری تحریروں سے استشہاد کر

رہے ہیں ۔ ان کا اشارہ اس بات کی طرف ہے کہ اقبال نے اشتراکیت کے بہبودِ عامہ اور ملکیتِ زمین بحقِ حکومت کے اصولوں کی توصیت کی ہے کیونکہ یہ اصول اسلام کے تصورات سے اقرب ہیں ، مگر اشتراکیت کا الحاد اور مادہ پرستی انہیں پسند نہ آ سکتی تھی ۔

سر فرانسس ینگ ہسبنڈ کے نام علامہ اقبال کا کھلا خط بہت معروف ہے ۔ اس خط کا ایک جملہ ہے : "۔ ۔ ۔ بالشویزم مع خدا تقریباً اسلام کے مماثل ہے"۔ ڈاکٹر جسٹس ایس ۔ اے ۔ رحمان نے اس خط پر خوب تبصرہ فرمایا مگر اقبال کا منقولہ جملہ اب بھی توضیح طلب ہے ۔ راقم السطور جتنا غور کرے ، اسے "بالشویزم" ، تصور خدا کے ساتھ منسلک ہو کر بھی تقریباً اسلام کے مماثل نظر نہیں آتا ۔ دونوں میں بعد المشرقین و المغربین سے بھی زیادہ فاصلہ ہے ۔

مصنف مرحوم تراکیبِ اقبال کے خوب جاذب تھے ۔ "پیش لفظ" میں لکھتے ہیں : "کتابِ دل کی طرح سوشلزم کی بھی بہت سی تعبیریں ہوئی ہیں ۔ ۔ ۔" 'کتابِ دل' ، کی ترکیب کو اقبال نے مرزا داغ کے مرثیے میں یوں استعمال کیا تھا :

لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خوابِ جوانی تیری تعبیریں بہت

کتاب کے متن میں بھی انھوں نے لفظیاتِ اقبال کی ترجمانی و تبیین کی مگر کہیں کہیں ابہام اور نارسائی بیان کار فرما نظر آتی ہے ، مثلاً یہ عبارت : "ملوکیت اور اشتراکیت ۔ ۔ ۔ ایک کے لیے زندگی خروج اور دوسری کے لیے خراج ہے" (صفحہ ۹۳) ۔ مصنف یہاں اقبال کے اس شعر کی طرف متوجہ ہیں جو "جاوید نامہ" (فلکِ عطارد) میں ہے :

زندگی این را خروج آن را خراج
درمیانِ این دو سنگ آدم زجاج

مگر یہ خروج اور خراج کیا ہیں ؟ میرے خیال میں دوسرا لفظ "اخراج" ہو سکتا ہے جو خروج کا مترادف ہے ۔ اقبال کا منشا یہ ہے کہ ملوکیت اور اشتراکیت نام کے نظامات میں خودی کے پنپنے کے سامان مفقود ہیں ۔

مجموعی طور پر یہ مختصر کتاب سراپا معلومات ہے اور فکرِ اقبال سے دلچسپی رکھنے والے حضرات کو اس کا مطالعہ کرنا چاہیے ۔ اشاریہ مرتب ہوتا ، تو کتاب کی افادیت میں مزید اضافہ ہو سکتا تھا ۔

— (ڈاکٹر) محمد ریاض

IQBAL REVIEW

Journal of the Iqbal Academy Pakistan

This Journal is devoted to research studies on the life, poetry and thought of Iqbal and on those branches of learning in which he was interested : Islamic Studies, Philosophy, History, Sociology, Comparative Religion, Literature, Art, and Archaeology.

Published alternately
in
English and Urdu

Subscription

(for four issues)

Pakistan	Foreign countries
Rs. 15.00	US $ 5.00 or £ Stg. 1.75

Price per copy

Rs. 4.00	US $ 1.50 or £ Stg. 0.50

All contributions should be addressed to the Secretary, Editorial Board, *Iqbal Review*, 90/B-2, Gulberg III, Lahore. Each article must have its duplicate copy. The Academy is not responsible for the loss of any article.

Published by

Dr M. Moizuddin, Editor and Secretary of the Editorial Board of the *Iqbal Review* and Director, Iqbal Academy Pakistan, Lahore

Printed at

ZARREEN ART PRESS
61, Railway Road, Lahore

ڈاکٹر عبد الحمید

اقبال بحیثیت مفکرِ پاکستان

علامہ اقبال بیک وقت فلسفی تھے اور شاعر بھی ، انہوں نے پاکستان کی جغرافیائی حصوں کی نشان دہی کی اور ہم عصر مسلم معاشرے کے دینی ، سیاسی اور معاشرتی رجحانات پر دو ٹوک اپنی رائے کا اظہار کیا ۔ ان جیسے غیر معمولی انسانوں کی ایک خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنے ماحول کے ساتھ گہرا رابطہ رکھتے ہوئے بھی ''من کی دنیا'' میں ڈوب کر قدرت کے بعض سر بستہ رازوں تک رسائی حاصل کر لیتے ہیں ۔ ان کے خیالات ، تحریروں اور تقریروں کا منبع ہمیشہ ایک نہیں ہوتا کبھی وہ اپنے گرد و پیش کے حالات سے متاثر ہو کر زبان کھولتے ہیں اور کبھی اپنی شخصیت کی گہرائیوں سے نکلے ہوئے احساسات کو الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

علامہ اقبال دو طرح سے مفکرِ پاکستان قرار پاتے ہیں ۔ اولاً انہوں نے برصغیر میں ایک اسلامی سلطنت کے امکان کو بدلائل ایک عملی شکل میں پیش کیا ۔ ثانیاً : فکرِ اقبال کے بہت سے اجزا ہمارے ذہن کا حصہ بن چکے ہیں ۔ شعوری اور غیر شعوری طور پر ہم ان کے بلند مقاصد کے ساتھ جذباتی وابستگی کا اظہار کرتے رہتے ہیں ۔ ۔ ۔ ۔

علامہ اقبال کے خیالات کا مرکز اور محور وحدتِ اسلامی کا تصور تھا اور وہ اس کے انتھک مبلغ تھے ۔ کتاب کے پہلے حصے میں ان خطرات کا جائزہ لیا گیا ہے جو ۱۸۵۷ء کے بعد مسلمانوں کی قومی وحدت پر منڈلا رہے تھے ۔ دوسرے حصے میں اقبال کی زندگی کے سیاسی پہلو پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے ۔ عملی سیاست کی وادی میں اقبال کا سفر مختصر تھا ، لیکن ان کی سیاست کوئی ذاتی یا خلا کی سیاست نہ تھی ، بلکہ اسی سیاست کا حصہ تھی جو ظہورِ پاکستان کا باعث بنی ۔ ۔ ۔ ۔

صفحات ۱۴۹ ۔ قیمت ۲۶ روپے

اقبال اکادمی پاکستان

90 بی ۔ 2 گلبرگ III لاہور